ستمبر 2014ء
ذیقعد 1435ھ
ماہنامہ
المرشد
اللہ
رسول
محمد
اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَ اَنَا مَعَہٗ اِذَا ذَکَرَنِیْ فَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ نَفْسِہٖ
ذَکَرْتُہٗ فِیْ نَفْسِیْ وَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَاءٍ ذَکَرْتُہٗ فِیْ مَلَاءٍ خَیْرٍ مِّنْہُ
"حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں بندہ کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسے وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں اگر وہ اپنے دل میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں بھی اپنے دل میں اسے یاد کرتا ہوں اگر وہ کسی جماعت میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس جماعت سے بہتر جماعت (فرشتوں) میں اسے یاد کرتا ہوں"۔
Crystal Chandelier in the Entrance Hall of Sheikh Zayed Mosque
ماننا اور بات ہے، پہچاننا اور بات ہے۔
ماننا اسلام ہے، پہچاننا تصوف ہے
الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

تصوف

تصوف کیا ہے؟

تصوف، اس جدوجہد کا نام ہے کہ سوچوں سے اعمال تک، اذکار سے کردار تک مومن کی زندگی میں اعتدال آجائے۔ حضور اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ سراسر اعتدال ہے۔ اس میں نہ کمزوری ہے نہ شدت اور یہی خوبی حضور اکرم ﷺ کی اُمت کی خصوصیت ہے لہٰذا مسلمانوں کے، حضور ﷺ کے امتیوں کے کردار میں اعتدال ہونا ازبس ضروری ہے مومن کے کردار میں ظاہری حلیے سے لے کر باطنی احساسات اور ذہنی افکار، سب میں خیر، نیکی اور اعتدال ہے۔ یہاں تک کہ مومن کی سوچ بھی کسی کے حق میں خراب نہیں ہوتی اس لیے کہ وہ سوچتے بھی حضور ﷺ کی سنت کے مطابق ہیں۔

ظاہری اعمال، ظاہری عبادات کا طریقہ وسلیقہ تو اساتذہ کرام سے سیکھا جاسکتا ہے، کتابوں کے مطالعہ سے حاصل کیا جاسکتا ہے، کسی سے پوچھ کر عمل کیا جاسکتا ہے لیکن دل کو کون سمجھائے، دل کی آرزوؤں کو کون پاکیزہ کرے، دل کی خواہشات کو کون درست کرے کہ اعمال کا دارومدار ہی دل کی نیت پر ہے۔ نیت میں کھرا پن کیسے آئے؟

اس کے لیے نبی کریم ﷺ کے قلب اطہر سے موجزن وہ ایمانی کیفیات چاہییں جو دل کو بدل ڈالیں، جو سوچوں میں سے برائی نکال کر خیر خواہی بھر دیں۔ جو باطن کی ایسی اصلاح کریں کہ کردار میں اعتدال آجائے۔

ان برکات نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حامل وہ ہستی چاہیے، جسے اللہ کا ولی، شیخ اور پیر کہتے ہیں۔ جس کا اپنا سینہ برکات رسول اللہ ﷺ سے منور ہو اور جس کی صحبت میں آنے والا اللہ اللہ کی پہچان لے کر اٹھے، اللہ کے نبی ﷺ کی محبت کا جذبہ جوان کر کے اٹھے۔ نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی شعاؤں سے اس کا کردار منور ہو، اعتدال آئے جو آپ ﷺ کا اُمتی ہونے کی نشانی ہے۔

اس سارے کو تصوف کہتے ہیں۔

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست: حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ، شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

ماہنامہ
المرشد
PS/CPL#15

فہرست

اسرار التنزیل سے اقتباس	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	3
اداریہ	صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان	4
کلام شیخ	سیماب اویسی	5
اقوال شیخ	انتخاب	6
طریقہ ذکر		7
ماہانہ بیان	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	8
مسائل السلوک	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	17
اکرم التفاسیر	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	22
سوال وجواب	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	27
مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی۔ایک صوفی شاعر	ڈاکٹر حافظ عبدالقدیر	32
غزوۂ اُحد	مولانا شبلی نعمانی	38
خواتین کا صفحہ		42
بچوں کا صفحہ	ع خان، لاہور	44
من الظلمت الی النور	نوید اشرف، واہ کینٹ	45
مساعی جمیلہ	اُسامہ قادری، راولپنڈی	50
The Objective of Supplication Translated Speech	Ameer Muhmmad Akram Awan MZA	54
A LIFE ETERNAL CH:21	Abul Ahmadain Translation: Naseem Malik	56

ستمبر 2014ء، ذیقعد / 1435ھ

جلد نمبر 36 شمارہ نمبر 1

مدیر: محمد اجمل

معاون مدیرہ: آصفہ اکرم (اعزازی)

سرکولیشن مینیجر: محمد اسلم شاہد

قیمت فی شمارہ: 40 روپے

بدل اشتراک

پاکستان 450 روپے سالانہ، 235 روپے ششماہی

بھارت، سری لنکا، بنگلہ دیش	1200 روپے
مشرق وسطیٰ کے ممالک	100 ریال
برطانیہ یورپ	35 اسٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	160 امریکن ڈالر
فار ایسٹ اور کینیڈا	160 امریکی ڈالر

انتخاب جدید پریس لاہور 042-36309053 ناشر: عبدالقدیر اعوان

سرکولیشن و رابطہ آفس: ماہنامہ المرشد، 17 اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ ٹاؤن شپ، لاہور
Ph:042-35180381, Email:monthlyalmurshed@gmail.com

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال۔ ویب سائٹ سلسلہ عالیہ: www.oursheikh.org
Ph:0543-562200, FAX: 0543-562198 Email: darulirfan@gmail.com

ختم خریداری کی اطلاع

یہاں اس دائرے میں اگر کراس ✕ کا نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے"۔

اچھوتے انداز اور منفرد طرزِ تحریر کی حامل

تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

ولی کا کشف دوسروں کے لیے حجت نہیں:

یہاں سے سلوک کا مسئلہ سمجھ میں آتا ہے کہ ولی کا کشف والہام اگرچہ دوسروں پر حجت نہیں مگر وہ خود اگر اس پر عمل نہ کرے گا تو دو نقصان ضرور ہوں گے اگرچہ ایمان محفوظ رہے گا۔ پہلا مقام میں تنزل، دوسرا دنیاوی مصائب۔ یہ یاد رہے کہ کشف والہام حدودِ شرعی سے متصادم نہ ہو۔ ورنہ خود اُس کا وجود ہی ثابت نہ ہوگا۔

اب مصیبت کا دور شروع ہوا تو متوجہ الی اللہ ہی ہوئے کہ یا اللہ! اب کیا کروں، اُن کی مسلسل خاموشی سوال بن گئی جس کے جواب میں فَتَلَقَّىٰٓ اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۚ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (البقرہ:37) اللہ ہی نے کچھ کلمات تعلیم فرمائے مِنْ رَّبِّهٖ یہ اس کی شان ربوبیت ہے کہ جس قدر علوم انسان کے لئے ضروری ہوں عطا فرماتا ہے جیسے غذا اور دیگر ضروریات ہاں! حوصلے حوصلے کی بات ہے جیسے دال پر مطمئن رہنے والوں کو زبردستی تورمے نہیں کھلاتا اسی طرح بغیر طلب کے علوم بھی عطا نہیں فرماتا اور طالب کو کبھی محروم نہیں فرماتا۔

یہ بھی واضح ہو گیا اوراد و وظائف بھی وہی مفید ہوں گے جو اللہ کی طرف سے ہوں اور اللہ کے نبی نے بتائے ہوں۔ شیخ کے بتانے کی برکت کا تو انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مگر شیخ کا کام قرآن وسنت سے ضرورت کے مطابق بتانا ہے خود وضع کرنا نہیں، جیسے حکیم ادویات مرض کے مطابق دے سکتا ہے نئی جڑی بوٹیاں لگانا اُس کے بس کی بات نہیں۔ بوٹیاں اللہ ہی کی پیدا کردہ ہوں گی۔ ہاں اُسے مرض اور اس کے ازالہ کا علم دیا گیا ہے یہی اس کی فضیلت ہے بالکل اسی طرح شیخ حالات کو دیکھ کر کتاب وسنت سے وظیفہ بتانے کا اہل ہے نہ کہ وظیفے ایجاد کرنا اس کا کام جیسے سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ساری عمر کتاب سنت وارشاد فرماتے رہے اور یار لوگوں نے قصیدہ غوثیہ ایجاد کر لیا۔ بھئی واہ! بھلا وہ کلام کیوں نہ پڑھیں جو حضرت خود بھی پڑھا کرتے تھے کیا وہ صرف اپنا قصیدہ پڑھا کرتے تھے؟

چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو بھی اللہ کی طرف سے کلمات عطا ہوئے جو رفع مصیبت کا سبب بنے۔ اکثر روایات کے مطابق وہ آیت یہ تھی، رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الاعراف:23) اب اگر کوئی ہر صلوٰۃ کے بعد گیارہ مرتبہ پڑھنا معمول بنالے تو انشاءاللہ مصیبت سے گلوخلاصی کا سبب ہوگی اور اگر عموم مصائب سے بچنا چاہے تو بہترین نسخہ ہے چنانچہ ان کی توبہ یا رجوع الی اللہ قبول ہوا کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا اور بہت بڑا رحم کرنے والا ہے اُس کی رحمت بے پایاں ہے۔

صلح حدیبیہ اور چھ ستمبر

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (الفتح:17)

ترجمہ: البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہو گیا۔ جب انہوں نے درخت کے نیچے آپ ﷺ کی بیعت کی۔

بعثت محمد رسول اللہ ﷺ اللہ پاک کا تمام مخلوقات پر احسانِ عظیم ہے اور سیرتِ طیبہ ایسے واقعات سے بھری ہوئی ہے جن سے عشق مصطفیٰ ﷺ کی رغبت بھی نصیب ہوتی ہے اور حقیقت بھی عیاں ہوتی ہے۔ صلح حدیبیہ کے واقعہ کو بیعت رضوان کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ بیعت بارگاہِ ایزدی میں اتنی مقبول ہوئی کہ مندرجہ بالا آیت کریمہ کا شانِ نزول ہے۔

یہ واقعہ ماہِ ذیقعد 6ھ بمطابق فروری 628ء فتح مکہ سے دو سال قبل پیش آیا۔ نبی اکرمؐ نے مختلف روایات کے مطابق چودہ تا سولہ سو صحابہ کے ساتھ مکہ مکرمہ کے لئے سفر اختیار فرمایا لیکن قریش مکہ کے رکاوٹ ڈالنے کی وجہ سے مکہ مکرمہ سے ایک منزل کی دوری پر حدیبیہ کے مقام پہ پڑاؤ فرمایا۔ اس مبارک واقعہ کے بے شمار پہلو ہیں مگر میں قارئین کی توجہ عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی حقیقت پر مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

نبی کریم ﷺ اور سردارانِ قریش کے مابین کئی وفود مسئلہ کو گفت وشنید سے حل کرنے کے لیے کوشاں رہے۔ حضرت عثمان غنیؓ کی بطور ایلچی، کفار مکہ کی طرف روانگی سے قبل اہل مکہ کی طرف سے آنے والا آخری شخص عروہ بن مسعود ثقفی تھا۔ وہ واپسی پہ اہل مکہ کو حالات کچھ اس طرح سے بتاتا ہے۔

''اے قوم! واللہ میں بادشاہوں کے دربار میں وفد لے کر گیا ہوں۔ میں قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں پیش ہوا ہوں۔ خدا کی قسم! میں نے آج تک کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے مقربین اس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی محمد ﷺ کے ساتھی ان کی کرتے ہیں۔'' مزید کہتا ہے کہ'' آپ ﷺ تھوکتے ہیں تو زمین پر گرنے سے پہلے ہاتھوں پر لے کر منہ اور سینے پر مل لیتے ہیں۔ ارشادات عالی کی تعمیل کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کو دوڑتے ہیں۔ آپ ﷺ وضو فرماتے ہیں تو وضو کے مستعمل پانی کے حاصل کرنے کے لئے جھپٹتے ہیں۔ جب آپ (ﷺ) گفتگو فرماتے ہیں تو سراسر خاموشی اختیار کر لیتے ہیں اور انتہائی تعظیم کی بنا پر آپ (ﷺ) کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے بہتر ہے تم (کفار مکہ) اپنے ارادے سے باز آجاؤ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ تم ان پر غلبہ نہ پا سکو گے۔ (اقتباس، محمد رسول اللہ ﷺ)

حضرت عثمان غنیؓ سفارت کار کی حیثیت سے اہل مکہ کے پاس تشریف لے گئے تو آپ ﷺ کو روک لیا گیا۔ مگر خبر آپ ﷺ کی شہادت کی پھیل گئی تو نبی اکرم ﷺ نے تمام صحابہ سے بیعت لی کہ حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لیا جائے گا چاہے سب شہید ہو جائیں۔ جسے بیعت رضوان کہتے ہیں۔ اس خبر کو سن کر کفار نے حضرت عثمانؓ کو رہا بھی کیا اور صلح حدیبیہ کے لیے تیار بھی ہو گئے۔ معاہدہ بظاہر کفار کی شرائط پر تحریر ہوا لیکن اللہ رب العزت نے اسے فتح مبین ارشاد فرمایا اور جہاں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین نے شہادت کی بیعت کی وہیں جب صلح نامہ پہ اللہ کے حبیب ﷺ نے دستخط فرمائے تو اس کی تعمیل بھی کی۔

ماہِ ذیقعد میں جہاں اتباعِ رسالت ﷺ کی یہ عظیم مثال ملتی ہے وہیں یہ ستمبر کا مہینہ ہمیں چھ ستمبر 1965ء کی صبح 4 بجے دشمن کے وطنِ عزیز پر حملے کی یاد دلاتا ہے۔ اسلام اور وطنِ عزیز کی آبرو پہ جان نچھاور کرنے والے شہیدوں اور غازیوں کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے۔ 6 ستمبر ہمارا یوم دفاع ہے۔ آج پھر ضرورت اس امر کی ہے کہ اپنا محاسبہ کیا جائے۔ ملک کی تعمیر وترقی کے لئے اس جذبے کی ضرورت ہے کہ جس کے بل پر ہمارے جوان ہنستے چہروں کے ساتھ نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے، سینوں پہ بم باندھے دشمن کے ٹینکوں تلے جان، جان آفریں کے سپرد کر گئے۔ ضرورت ہے اتباعِ رسالت میں اُس پُر خلوص بیعت کی کہ جس پر اللہ رب العالمین نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ (الفتح:10)

ترجمہ: بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ (واقعی میں) اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے۔

صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان

کلامِ شیخ

سیماب اویسی

امیر محمد اکرم اعوان' سیماب اویسی کے قلمی نام سے شاعری کرتے ہیں۔آپ کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

گردِ سفر		نشانِ منزل
متاعِ فقیر	کون سی ایسی بات ہوئی ہے	سوچ سمندر
آس جزیرہ		دیدہ تر

اپنی شاعری کے بارے میں خود لکھتے ہیں:

"مگر حق یہ ہے کہ یہ سب محض میری کیفیات اور میرے جذبات کے اظہار کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ اشعار کیسے ہیں، ان کا معیار کیا ہے، بلکہ یوں کہیے یہ اشعار ہیں یا نہیں، اس کی مجھے خبر نہیں اس لئے کہ میں نے یہ فن سیکھا ہے نہ اس کے اسرار و رموز۔ میں نے جتنا بھی سیکھا سب کچھ اپنے عظیم شیخ کی توجہ اور نگاہ کا حاصل ہے۔ اگر ان اشعار میں واقعی کوئی کمال نظر آئے تو یہ اللہ کی عطا اور شیخ المکرم کا فیضانِ نظر ہے۔ اور اس کے سارے سقم کی ذمہ داری میری کمزوریوں کا نتیجہ ہے۔ اللہ کرے جو میں چاہتا ہوں وہ کہہ سکا ہوں اور جو کہہ گیا ہوں وہ کسی کی سمجھ آسکے تو میں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا"۔

فیضانِ نظر، متاعِ فقیر

نعت

خوش تر جمال آپؐ کا رنگین تر ہجر بھی ہے
شیریں ہے ذات آپؐ کی شیریں ہجر بھی ہے
کہتے ہیں عشق آگ ہے تن مَن جلاتا ہے
گر ہو یہ تیری ذات سے گلشن سجاتا ہے
کھلتے ہیں دِل کے باغ میں گلشن کئی ہزار
برسے ہے جن پہ ابر کرم آ کے بار بار
گل رنگ وادیوں کی بہاریں عجیب ہیں
مہکے گلوں کی ہر سُو قطاریں عجیب ہیں
گاتی ہیں گیت ندیاں تیرے جمال کے
دل کیف لوٹتا ہے بس تیرے خیال کے
تیرِ نظر کی اصطلاع یکسر بدل گئی
نظرِ کرم بنی ترے در پر بدل گئی
دل گر ترے جمال سے سرشار ہوگیا
مشتِ غبار حق کا طلب گار ہوگیا
جس نے جلایا طُور کو تھا ایک آن میں
تُو نے بسا دیا اسے دل کے جہان میں
دل بے بس و بے جان و بے حرف و کتاب تھا
دیکھا پلٹ کے آپؐ نے بس آفتاب تھا
دل کھو گیا تھا اپنا تو اپنے گمان میں
اب عشق بانٹتا ہے وہ سارے جہان میں
تیرےؐ کرم سے دِل مرا بے تاب ہوگیا
مشتِ غبار تھا مگر سیمابؔ ہوگیا

"حمد و نعت" سے انتخاب

اقوالِ شیخ

1۔ ہر دکھ کا علاج یہ ہے کہ جتنا اللہ کی یاد میں رہیں گے اتنا سکون پائیں گے۔

2۔ جب لوگوں میں مال کی محبت اتنی ہوجائے کہ اللہ کی راہ میں خرچ نہ کریں اور جہاد سے جی چرانے لگیں تو پھر بربادی میں کوئی کسر باقی نہیں رہتی۔

3۔ غیر مسلموں کا تالاب، ہسپتال وغیرہ بنا دینا بھلائی کے کام ہیں، نیکی نہیں ہے۔ اس لیے کہ نیکی کی شرط یہ ہے کہ وہ اللہ کا حکم ہو اور اللہ کا حکم سمجھ کر بجا لائے۔

4۔ جب علم دل میں گھر کرتا ہے تو کردار بدل جاتا ہے۔ اگر علم دل میں گھر نہ کرے تو بندہ قرآن بھی پڑھائے تو اللہ کے لیے نہیں پڑھاتا، اس کی قیمت وصول کرتا ہے۔

5۔ قرابت داروں کا حق یہ ہے کہ ان کے ساتھ محبت و ملنساری سے، عفوودرگذر کا معاملہ رکھتے ہوئے انہیں اکٹھا رکھنے کی کوشش کی جائے

6۔ بندے کو اس قدر اسباب دنیا اختیار کرنا ضروری ہے جتنے وسائل مہیا ہوسکیں۔

7۔ دنیا میں بندہ جو کچھ کرتا جاتا ہے، اس کی ادائیگی بھی اسے فوراً ہوتی چلی جاتی ہے۔ نیکی دل کو ٹھنڈک اور سکون پہنچاتی ہے اور بندہ اطمینان سے جیتا ہے۔ برائی بے سکونی پہنچاتی ہے۔

8۔ اسلام اللہ کا قانون ہے۔ اس میں جو کچھ ہے وہ اٹل ہے۔ اسلام کو ہم حالاتِ حاضرہ کے مطابق نہیں بدل سکتے بلکہ جب تک دنیا قائم ہے اسلام تب تک کے حالات کے لیے ہے۔

ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے کچھ نہ ہونے اور اللہ کے سب کچھ ہونے کا احساس ہو جائے۔

ذاتِ باری کے معاملے میں اپنے نہ ہونے کا ادراک ہو جائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب کچھ وہ ہے۔

شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

طریقۂ ذکر

پہلا لطیفہ۔ مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ قلب پر لگے۔

دوسرے لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔ دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور سر پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

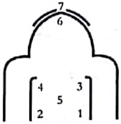

چھٹا لطیفہ۔ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتواں لطیفہ۔ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: ساتوں لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ ساتویں لطیفہ کے بعد پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے اور پھر رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔

سالانہ اجتماع کا اختتامی بیان

22 جون 2014

طلب معرفت الٰہی

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O وَالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ O اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

وَ الَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا وَ اِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ (العنکبوت:69)

اَللّٰھُمَّ سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ O رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ O وَ یَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ O وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ O یَفْقَھُوْا قَوْلِیْ O (طٰہٰ:25-27) رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمٖ۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے وَ الَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا وہ لوگ جو میری ذاتی رضا کے لیے، میری ذات کے قرب کو پانے کے لیے، میری ذاتی خوشنودی کو پانے کے لیے محنت کرتے ہیں، جَاھَدُوْا فِیْنَا مجاہدہ کرتے ہیں، محنت کرتے ہیں، لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا، ان کے لیے ہم اپنے راستے واضح کر دیتے ہیں، انہیں اپنے راستے دکھا دیتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں جو ارشاد فرمایا گیا۔ وہ انتہائی نازک معاملہ ہے۔ جدوجہد تو ہر کوئی کرتا ہے، محنت و مشقت تو ہر کوئی کرتا ہے لیکن اس کی یہ شرط کہ، فِیْنَا، اسے بہت نازک بنا دیتی ہے۔ انسان اس دار دنیا میں جب آنکھ کھولتا ہے تو اُسے پیار کرنے والے والدین کی گود مل جاتی ہے، خوراک کے لیے ماں کا دودھ میسر ہو جاتا ہے۔ حفاظت کے لیے ماں جیسی پیار کرنے والی، محبت کرنے والی ہستی اُسے میسر ہو جاتی ہے۔ باپ جیسا ایک مضبوط اور توانا فرد میسر ہو جاتا ہے جو اپنی جان لٹا کر بھی اُس کی حفاظت کرتا ہے، محنت کر کے کما کر لاتا ہے۔ خود بھوکا سو جائے تو بھی بچوں کو کھلاتا ہے۔ جب بچہ ہوش سنبھالتا ہے، بالغ ہوتا ہے تو کیا کبھی اُس نے سوچا ہے کہ میں ایک نئے ملک میں آیا، ایک نئی جگہ آیا، وجود کہاں سے آیا، روح کہاں سے آئی یہ سارا انتظام میرے لیے کس نے کر رکھا ہے؟ بڑی عجیب بات ہے، کیا سوچنا نہیں چاہیے؟ آپ ایک نئے ملک میں جاتے ہیں۔ داخل ہوتے ہی آپ کو گھر مل جاتا ہے، پیار کرنے والی ماں مل جاتی ہے، شفیق باپ مل جاتا ہے، بہن بھائی مل جاتے ہیں۔ لباس مل جاتا ہے، غذا میسر آ جاتی ہے، تحفظ میسر آ جاتا ہے تو آپ یہاں سے کسی ملک میں بھی جائیں وہاں آپ کو یہ ساری چیزیں مل جائیں تو کیا آپ سوچیں گے نہیں کہ یہ سارا انتظام کس نے کیا؟ کون ہے جو مجھے اتنا عزیز رکھتا ہے، کون ہے جو مجھ سے اتنا پیار کرتا ہے، کون ہے جو میری اتنی نگہداشت کرتا ہے میرے لیے اتنے انتظامات کرتا ہے؟ بدنصیبی یہ ہے کہ انسان ان نعمتوں میں کھو جاتا ہے، نعمتیں عطا کرنے والے کی طرف نہیں دیکھتا۔ بدنصیبی یہاں سے شروع ہوتی ہے ورنہ وہ ایک نئے گھر میں آیا تھا پردیس میں آیا تھا۔ بدن تو چلو خاکی ذرات سے نکل کر ایک وجود میں آ گئے لیکن روح تو ایک بہت لمبا سفر کر کے آئی۔ کہاں عالم امر اور کہاں یہ خاکی ذرات اور بدن میں روح نہ ہوتی تو بدن نے تو کچھ محسوس ہی نہ کرنا تھا۔ بدن تو محض ایک مٹی کا ڈھیر ہے۔ روح نے اُسے حیات بخشی اور اس قابل بنا دیا کہ وہ محسوس کرے۔ جب وہ

اُس نئی دنیا میں آتا ہے تو وہ بچہ ہے اُسے اس کی سمجھ نہیں ہے۔ بڑا ہوتا ہے، لڑکپن گزرتا ہے، بالغ ہوتا ہے، شعور آتا ہے۔ کیا اسے بلوغت کے وقت جب شعور بالغ ہوجائے اُسے سوچنا نہیں چاہیے کہ میرے آنے سے پہلے میرے لیے اتنا انتظام کس نے کیا؟ تب اس کی نگاہ اُس ہستی پر پہنچتی ہے جو ایک ایک بندے کے لیے یہ سارا اہتمام کرتا ہے۔ پھر ایک عجیب سی طلب پیدا ہوتی ہے۔ بہت اعلیٰ مقام تھا موسیٰ علیہ السلام کا، اولوالعزم رسولؑ تھے۔ انبیاؑ اعلیٰ ترین ہستیاں ہیں ان میں بھی فضیلت رسولوںؑ کی ہے پھر اُن میں بھی فضیلت اولوالعزم رسولوںؑ کی ہے۔ موسیٰؑ اولوالعزم رسولوں میں سے تھے پھر براہِ راست کلام باری نصیب ہوا، اللہ سے بات کرنا نصیب ہوئی۔ ایک انسانی مزاج ہے، ایک کیفیت پیدا ہوگئی۔ بہت قرب ہے، ذاتی کلام سن رہا ہوں، براہِ راست گزارشات پیش کرتا ہوں لیکن رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡكَ (الاعراف:143) اب تو دل چاہتا ہے آپ کو دیکھوں۔ اگر نبیؑ، رسولؑ، اولوالعزم رسول کی طبیعت بے قرار ہوسکتی ہے جنہیں اللہ کریم اپنے مزاج پہ سب سے زیادہ کنٹرول عطا فرماتا ہے۔ وہاں پہ بے قراری آسکتی ہے تو ہم میں کیوں نہیں آتی کہ کس نے ہمارے لیے اتنا انتظام کر دیا۔ کون ہے وہ، اُسے جانیں تو سہی۔ کبھی ہم میں وہ تڑپ پیدا ہوئی کہ دیکھیں تو سہی، اُس کا جمال جہاں آرا کبھی دیکھنا نصیب ہو۔ تو یہ جذبہ جو ہے، یہ تصوف ہے۔ مالک کی جستجو، محسن کی تلاش، محسن سے وصال، اس کی بارگاہ میں حاضری، اُس کے جمالِ جہاں آرا کو دیکھنے کی طلب، یہ تصوف ہے۔ اللہ کریم توفیق عطا فرمائے اور دنیا کے جھمیلوں میں سے اتنا شعور دے دے کہ ہم نبی کریم ﷺ کی ذات کی اطاعت کریں۔ سن سنا کر سہی کیونکہ معرفتِ الٰہی کی طرح معرفت نبوت صلی اللہ علیہ وسلم بھی بڑی کٹھن منزل ہے۔ ماننا اور بات ہے، پہچاننا اور بات ہے۔ ماننا اسلام ہے، پہچاننا تصوف ہے۔ والدین ایک عجیب ہستی ہیں، والدین کے ذمہ جہاں ہمارا تحفظ ہے، ہماری بیماری، صحت کا، ہماری روزی ہمارے کھانے پینے کا، ہمارے لباس کا، ہماری تربیت کا، وہاں ہمارے

والدین کے ذمے یہ بھی ہے کہ ساتھ ہی ساتھ ہمارے اس شعور کو بھی بیدار کریں۔ یہ والدین بھی کس نے دیے، یہ نعمتیں کون دے رہا ہے؟ اگر وہ یہ نہیں کرتے تو انہیں اس کا اللہ کے حضور جواب دینا ہوگا۔ والدین سے بزرگوں سے سے سن کر، معاشرے میں دیکھ کر، علما سے سن کر ہم نے مان لیا، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ، توفیق عمل ہوگئی۔ غلطیاں ہوئیں تو توبہ کرلی، رجوع الی اللہ کرلیا، نجات کے لیے کافی ہے۔ اور اللہ کریم فرماتے ہیں فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ جو دوزخ سے بچ گیا اور جنت میں چلا گیا وہ کامیاب ہوگیا، وہ جیت گیا۔ اتنا نجات کے لیے کافی ہے۔ اس سے آگے کہ یہ نجات دی کس نے، وہ کون ہے، وہ کیسا ہے، مجھ سے اس نے اتنی محبت کی، کیا میں اس محبت کا جواب محبت سے دے سکتا ہوں۔ یہ طلب جب بن جائے تو یہ تصوف ہے۔ سن کر مان لینا اسلام ہے، ایمان ہے، نجات ہے۔ نجات پا جانے والا اللہ نے کامیاب قرار دیا۔ دوزخ سے بچ گیا، جنت میں چلا گیا جیت گیا۔ جیت جانا، جنت میں داخل ہوجانا ایک اور بات ہے اور قرب کی تمنا، وصال کی تمنا، دیدار کی آرزو ایک دوسری بات ہے۔ ہم دنیا میں لوگوں کے ساتھ گزارا کرتے ہیں، ایک دوسرے کے لیے قربانیاں بھی دیتے ہیں، اچھی بات ہے۔ لیکن کوئی ہستی، خال خال کوئی ہستی ایسی ہوتی ہے جس سے ہم محبت کرتے ہیں۔ اچھے تعلقات اپنی جگہ لیکن محبت کی بات الگ ہے۔ محبت ایک ایسا جذبہ ہے جس میں کوئی گنتی، کوئی شمار، کوئی حساب کتاب ہی نہیں کہ اُس نے کیا لیا مجھے کیا ملا؟ اگر محبت ہے تو پھر حساب کتاب کیا، جو ہوگیا وہی ٹھیک ہے۔ رشتے ہیں تو حساب ہوگا۔ بھائی بھائی سے کرے گا، اولاد والدین سے کرے گی، والدین اولاد سے کریں گے۔ تمہاری اتنی تنخواہ ہے، تم نے اتنا کمایا، تم نے کتنا رکھا، اس میں سے مجھے کیا دیا، تمہارا مکان ہے میرا کون سا حصہ ہے، کمرہ میرے لیے کون سا ہے۔ یہ ساری باتیں اچھے تعلقات میں ہوں گی بلکہ بعض اوقات یہ حساب کتاب نہیں ہوتا اور یہ ایک جذبہ ہے بیان کرنے سے، سمجھانے سے، پڑھانے سے نہیں آتا۔ محبت کرنے سے سمجھ آتی ہے۔ کسی عرب

شاعر نے اس کی تعبیریوں کی ہے۔ فَاِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعٌ محبت کرنے والا محبوب کا غلام ہوجاتا ہے "کیوں" اور "کیسے" نہیں رہتا یعنی محبت ایک ایسا جذبہ ہے وہ اردو میں کسی نے کہا تھا

محبت کیا ہے تاثیر محبت کس کو کہتے ہیں
تیرا مجبور کر دینا میرا مجبور ہو جانا

یعنی محبت میں کیوں اور کیسے کوئی نہیں ہوتا، حساب کتاب کوئی نہیں ہوتا ایک ہی بات ہوتی ہے کہ میرے لیے کیا حکم ہے؟ کس بات پہ آپ راضی ہیں کس بات سے آپ خوش ہیں؟ فَاِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعٌ محبت کرنے والا محبوب کا غلام بن جاتا ہے۔

تو مان لینا اچھی بات ہے نجات کے لیے کافی ہے۔ اللہ تمام مسلمانوں کا ایمان قبول فرمائے، سب کی خطائیں معاف فرمائے، سب کو جنت نصیب فرمائے لیکن اس ماننے سے آگے بڑھ کر یہ جستجو کہ وہ ہے کون، وہ کیسا ہے، کبھی میں بھی اُسے دیکھوں، اس کی بارگاہ میں حاضری دوں۔ میں اسے سجدے تو کرتا رہا کبھی اُسے دیکھ کر سر جھکاؤں۔ اب آپ کہتے ہیں تصوف مشکل ہے، مُشکل نہیں ہے یہ بنیادی بات ہے یہ ہَونی چاہیے۔ ہمیں مشکل اس لیے لگتی ہے کہ ہمارے مزاج بگڑ گئے ہیں۔ ہماری بنیادی غذا گندم کا آٹا ہے۔ کہیں چاول بنیادی غذا ہے لیکن عموماً دنیا میں گندم بنیادی غذا ہے۔ جیسے بخار ہوجائے، تپ محرکہ ہوجائے تو مریض کا منہ کڑوا ہوجاتا ہے۔ اُسے کھانا دو، وہ کہتا ہے یہ کڑوا ہے۔ بھئی آج گندم کڑوی ہوگئی ساری عمر کھاتے رہے۔ گندم کڑوی نہیں ہوئی اس کا مزاج بگڑ گیا۔ تصوف مشکل نہیں ہوئی ہمارے مزاج بگڑ گئے ہیں ورنہ بنیادی بات جو محمد رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمائی وہ یہ تھی۔ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ (الجمعہ:2) اللہ کی آیات اُن پر پیش فرمائیں جو قبول کرتا ہے وَیُزَکِّیْهِمْ (الجمعہ:2) سب سے پہلے ان کا تزکیہ فرمایا وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (الجمعہ: 2) تزکیے کے بعد اُنہیں قرآن اور قرآن کے معانی کی، حکمت کی تعلیم فرمائی۔ حکمت میں حدیث شریف آجاتی ہے جو ساری قرآن کی تفسیر ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد اور آپ کا عمل بھی۔ عمل قرآن کی عملی تفسیر ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے عرض کیا گیا کہ حضور ﷺ کے اخلاق عالیہ کی کوئی بات بتائیں، کوئی واقعہ سنائیں تو آپؓ نے مختصر سا جواب دیا۔ فرمایا، کان خلقه القرآن, آپ ﷺ کے اخلاق عالیہ قرآن تھے۔ قرآن پڑھتے جاؤ۔ قرآن جو کرنے کا کہتا ہے حضور ﷺ وہ کرتے تھے جس سے روک دیتا وہ رک جاتے تھے۔ آپ کا اخلاق قرآن ہے تو گویا جو ایمان لاتا اسے حضور ﷺ اسی وقت صوفی بنا دیتے۔ تصوف کی بڑی تعبیریں لکھی گئیں کہ یہ صوف کا کپڑا پہنتے تھے اس لیے انہیں صوفی کہتے ہیں۔ قرآن کریم کا یہ جو لفظ ہے وَیُزَکِّیْهِمْ (الجمعہ:2) ان کا تزکیہ فرماتے تھے۔ اس کا ترجمہ آپ کیا کریں گے؟ ان کے دل کی صفائی کرتے تھے، اُن کے قلوب کی صفائی کرتے تھے۔ اس صفائی کرنے کو، اس عمل کو کہیں گے "تصوّف"۔ تصوف کا معنی ہے صفائی کرنا۔ اسم فاعل بن جاتا ہے صفائی، صفا سے اسم فاعل بنائیں گے تو تصوف بنے گا۔ صفائی کرنا۔ تو پھر اس میں صوف کہاں سے آگئے۔ یہ صوف سے نہیں ہے یہ صفائے قلب سے ہے اور قرآن کریم کا باہر کی دنیا میں جو پہلا ترجمہ ہوا، فارس کی سلطنت فتح ہوئی اور فارس میں بڑے بڑے عظیم انسان، عظیم مسلمان، بڑے بڑے عظیم اولیاء اللہ گزرے، عظیم علما، عظیم فقہا گزرے تو قرآن کا جو ترجمہ فارس میں کیا گیا ہے بلکہ بعینہٖ صحیح تزکیہ کے نیچے تصوف لکھ دیا گیا۔ اس کی باقی تعبیریں تلاش کرنا دور از کار بات ہے تو کمال یہ ہے کہ جو ایمان لاتا ہے نبی ﷺ پہلے اس کا تزکیہ کرتے ہیں پہلے اُسے صوفی بنا دیتے ہیں پھر اُسے قرآن سکھاتے ہیں پھر اُسے قرآن کے معنی سکھاتے ہیں۔ یہ فرائض نبوت میں سے ہے۔ حضور ﷺ کی ذمہ داری ہے، نبوت کے فرائض میں سے ہے۔ تلاوت آیات، تزکیہ، تعلیم کتاب، تعلیم حکمت، چار فرائض نبوت قرآن نے بیان فرمائے ہیں۔

آپ ظاہری طور پر دیکھ لیں کہ جس نے نبی کریم ﷺ کی ایک نگاہِ اطہر پائی وہ صحابیؓ ہوگیا۔ صحابیت کیا ہے؟ سارے تصوف کی انتہا

ہے۔ نبوت سے نیچے سب سے اعلیٰ مقام ہے۔ صحابیت کی چھت سے نبوت کے عرش کی ابتدا ہوجاتی ہے۔ جہاں صحابیت ختم ہوتی ہے وہاں سے نبوت شروع ہوجاتی ہے تو آپ ﷺ نے ہر آنے والے کو ایک نگاہ میں صحابیؓ بنا دیا۔ وہ مرد تھا، عورت تھی، بچہ تھا، بوڑھا تھا وہ کام تو ایک نگاہ میں ہوگیا۔ کسی نے کہا تھا "من سی پارۂ دل می فروشم" میں دل کے ٹکڑے بیچتا ہوں، کوئی گاہک ہو تو میں دل کے ٹکڑے بیچتا ہوں۔ "بگفتا قیمتش" کسی نے پوچھا کتنے میں دو گے۔ "گفتم نگاہے" کسی نے قیمت پوچھی میں نے کہا ایک نگاہ کے صدقے دے دوں گا۔ کوئی نگاہ کرم ہوجائے، میرا دل خریدے۔ "بگفتا کم ترش" تو اس نے کہا کوئی اس میں بڑھاؤ گھٹاؤ بھی منہ مانگی قیمت کون دیتا ہے۔ "بگفتا کم ترش، گفتم کہ گاہے" زندگی میں کوئی ایک نگاہ سہی، جسے زندگی میں ایک نگاہ مصطفوی ﷺ نصیب ہوگئی وہ شرفِ صحابیت سے سرفراز ہوگیا۔ تصوف کی انتہا پر پہنچ گیا۔ تابعین اُس سے پیچھے رہ گئے، تبع تابعین اس سے پیچھے رہ گئے، اولیاء اللہ کی تو بات ہی کیا ہے اُن کی جوتیوں کی خاک کو بھی نہیں پہنچتے۔ تو تصوف مشکل ہے یا آسان ترین کام ہے۔ سب سے پہلا کام یہ ہوا کہ ہر آنے والا، بارگاہِ رسالت ﷺ میں ایک نگاہ کے صدقے تصوف کی انتہا کو پہنچ گیا۔ اب اس بات کو اس سے جوڑیئے کہ آنکھ کھلے، ہوش سنبھالے، دماغ جاگے، بلوغت آئے، تو کیا بندے کو سوچنا نہیں چاہیے کہ میں کہاں سے آیا۔ یہ وطن میرا تو نہیں تھا، مجھے یہاں ہمیشہ تو نہیں رہنا آخر اسے چھوڑ کر چلے جانا ہے، چند سالوں، چند مہینوں، چند دنوں کے لیے آیا ہوں یہاں مجھے بھیجا کس نے؟ اور جس نے مجھے بھیجا وہ مجھ سے کتنا پیار کرتا ہے۔ اُس نے میرے لیے کتنا انتظام کیا اور کتنی نعمتیں یہاں بکھیر دیں۔ خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرہ:29) روئے زمین پر جو میں نے پیدا کیا، تمہاری خدمت کے لیے کیا۔ کچھ چیزوں کو تم جانتے ہو کچھ کو تم نہیں جانتے۔ ہمیں سانپ بہت برا لگتا ہے۔ جن ملکوں میں چاول کاشت ہوتا ہے ان میں بڑے بڑے سانپ ہوتے ہیں اور بڑے زہریلے ہوتے ہیں۔ لوگ انہیں مارتے نہیں پالتے ہیں، کہتے ہیں رہنے دیں۔ وہ چاول کے کھیت میں پھرتے رہتے ہیں۔ چوہا چاول کے کھیت کا دشمن ہے جو زمین میں سوراخ کرتا ہے تو کھیت کا پانی نکل کر چلا جاتا ہے، چاول سوکھ جاتے ہیں۔ وہ سانپ، چوہوں کو کھا جاتے ہیں تو چاول کے کاشتکار سانپوں کو مارتے نہیں، پالتے ہیں، اُنہیں چھیڑتے نہیں۔ ان کے گھروں میں بھی آئیں تو اُن کو چھڑ چھاڑ کر گھر سے نکال دیتے ہیں لاٹھی مار کر مارتے نہیں۔ انہیں پتہ ہے کہ یہ بھی ہماری خدمت کر رہے ہیں۔ چین میں ایک دفعہ ایک تحریک چلی کہ فصلیں چڑیاں کھا جاتی ہیں تو چڑیوں کو مار دیا جائے تو چین والے تو جس کام میں لگ جائیں جنوں کی طرح کرتے ہیں۔ ہر بندہ اُس شکار پر لگ گیا۔ ٹرکوں کے ٹرک چڑیاں مار کر پھینک دیں۔ اُس سال جو فصل ہوئی وہ پہلے سے بہت کم تھی۔ یہ کیوں ہوا؟ کیڑے فصلوں کو کھا گئے۔ چڑیاں کیڑوں کو کھا جاتی تھیں۔ چڑیاں مار دی گئیں تو کیڑوں نے فصل تباہ کر دی۔ گویا ان کا ہونا بھی ضروری تھا وہ آپ کی خدمت پہ لگی ہوئی تھیں۔ ارشاد باری ہے خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرۃ:29) زمین پر جو کچھ میں نے پیدا کیا ہے انسان وہ تیرے لیے پیدا کیا ہے تیری خدمت کے لیے۔ تو کیا بندہ کبھی سوچے بھی نہیں کہ وہ کون ہے، کیسی ہستی ہے؟ اُسے اگر اللہ کرے کہ والدین نیک مل جائیں تو مان لیتا ہے وہ اُسے منوا لیتے ہیں۔ بالغ ہو، صحبت اچھی مل جائے تو مان لیتا ہے۔ ماننا اُس کا یہ ہوتا ہے کہ اللہ بہت بڑا ہے۔ میں اُس کا بندہ ہوں میں بہت کمزور ہوں۔ نہیں مانوں گا تو مار پڑے گی، مان لیتا ہوں۔ نجات کے لیے یہ بھی کافی ہے کہ مان تو لیا لیکن بھائی نجات بڑی نعمت ہے، نجات نجات ہے، لیکن اُس کی بارگاہ کا قرب الگ بات ہے۔ میری نعت کا ایک شعر ہے۔

تری طاعت میں ہے لطفِ زندگی بے شک فقیر
کیف آگیں لذتِ دردِ نہانی اور ہے

مان لینا، اطاعت کر لینا نجات کے لیے کافی ہے لیکن وصال کی لذتیں اور ہیں، وہ بات اور ہے۔

میں ایک ولی اللہ کے حالات پڑھ رہا تھا۔ ان پر کسی نے سوال کر دیا کہ میدان حشر میں اگر اللہ آپ پر اتنا راضی ہو کہ آپ سے پوچھ لے کہ کیا چاہتے ہو تو آپ کیا کہیں گے؟ تو کہنے لگے میں کہوں گا کہ مجھے سب سے نچلے دوزخ میں بھیج دو۔ وہ بندہ حیران ہو گیا کہ حضرت ساری عمر لوگ نجات کے لیے محنت کرتے ہیں جنت کے لیے محنت کرتے ہیں اور آپ جہنم کے بھی سب سے نچلے درجے میں جانا چاہتے ہیں؟ فرمایا تو نہیں جانتا۔ اگر اللہ نے مجھے وہاں بھیج دیا تو میں نے وہاں ایک ضرب لگائی "اللہ ھو" تو ساری جہنم کے پرخچے اُڑ جائیں گے ساری دنیا کی جان چھوٹ جائے گی۔ ہو گا کیا یہ اللہ جانے۔ بندے کا اپنے اللہ سے تعلق کتنا ہے اور اُس پر کتنی اُمیدیں استوار ہیں ذرا اُسے دیکھیے۔

نجات ہے، جنت جانے کے لیے محنت۔ تصوف ہے اللہ کو پانے کے لیے محنت۔ اب یہ بنیاد ہے۔ ہمیں عجیب اس لیے لگتا ہے کہ مرورِ زمانہ نے، یہ زمانہ بڑی ظالم شئے ہے یہ زخموں کو مندمل کر دیتا ہے، یادوں کو بھلا دیتا ہے، تعلقات کو مسمار کر دیتا ہے، رشتے توڑ دیتا ہے۔ ہم جن لوگوں کے بغیر رہنے کا تصور نہیں کر سکتے تھے انہیں ہم نے اپنے ہاتھوں سے دفن کر دیا اور بہت کم خوش نصیب ہے جسے یاد بھی ہے،

كنا كزوج حمامة في ايكة متمتعين بصحة وشباب

دخل الزمان وفرق بيننا ان الزمان مفرق الاحباب

ہم تو کبوتروں کے جوڑے کی طرح ایک دوسرے پر نچھاور ہوتے تھے۔ خوبصورت آشیانے میں ہمارا قیام تھا۔ یہ زمانہ ہمارے درمیان میں آیا اُس نے ہمیں الگ الگ کر دیا یقیناً زمانہ دوستوں کو دوستوں سے جدا کر دیتا ہے۔ یہ مرورِ زمانہ نے اور صدیوں کے سفر نے ہمیں تصوف سے الگ کر دیا، ہمارے درمیان تفریق ڈال دی۔ ہمارے درمیان زمانہ آ گیا ہے اب ہم اسے پہچانتے ہی نہیں تو ہمیں مشکل لگتا ہے۔ یار، بائیسکل چلانا کون سا مشکل کام ہے۔ نہ انجن، نہ گیئر، نہ مشین، نہ ایکسیلیٹر۔ دو پیڈل ہیں اور دو بریک ہیں، اللہ اللہ خیر صلا۔ لیکن جسے چلانا نہیں آتا وہ کہتا ہے یہ دنیا کا مشکل کام ہے۔ بچے چلائے پھرتے ہیں بوڑھے لیے پھرتے ہیں، جوان لیے پھرتے ہیں جسے سائیکل چلانا نہیں آتا وہ کہتا ہے یہ بڑا مشکل ہے۔ جب ہم اس نعمت سے بیگانہ ہو گئے تو ہم نے کہا یہ مشکل ہے۔ یہ نہیں ہو سکتی یہ بہت مشکل ہے۔ بھئی یہ کیسے مشکل ہے یہ تو زندگی کی بنیاد ہے صرف اتنا اللہ کریم فرماتے ہیں، وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا، کہ جب آنکھ کھولے، ہوش آئے، بالغ ہوئے تو میرے بارے سوچے تو سہی کہ دنیا میں میرے آنے سے پہلے باپ کس نے بنا دیا، ماں کس نے تخلیق کر دی۔ اس کے دل میں میری محبت ڈال دی۔ میں دنیا میں آیا تو کچھ نہیں اُڑا سکتا تھا اُس نے مجھے ایسی ہستیاں دیں جنہوں نے مجھے نہایت صاف ستھرا پال پوس کر بڑا کر دیا۔ بڑا ہوا تو میرے گرد نعمتوں کے ڈھیر لگا دیے، ایک جہاں کو بکھیر دیا۔ وقت بدلتا رہتا ہے۔ جب ہم سکول میں پڑھا کرتے تھے تو سائیکلوں کو ترسا کرتے تھے پھر جب ہمیں والدین نے سائیکل لے کر دی تو ہم سمجھتے تھے ہمارے پاس ہوائی جہاز ہے۔ آج ہمارے پاس کروڑ کروڑ کی گاڑیاں ہیں۔ کبھی ایک بائیسکل سکول میں ہمیں ہوائی جہاز لگتا تھا۔ آج کروڑ روپے کی گاڑی ہے اسے بھی عمومی بات لیتے ہیں جس کی ہماری نزدیک کوئی خاص اہمیت نہیں۔ تو یہ کون دیتا ہے، کہاں سے آتی ہیں؟ کبھی ہم نے سوچا کہ جو دیتا ہے وہ بہت کریم ہے۔ دیکھیں تو سہی جھانکیں تو سہی، اُس کی بارگاہ کیسی ہے؟ زمانے کی گرد نگاہوں پر اتنی جم گئی ہے، کہ بیشتر تو انجوائے کرتے ہیں سوچتے بھی نہیں کہ یہ دیا کس نے ہے۔ یہ تکلف بھی نہیں کرتے یا اپنی سوچ کو محدود کر لیتے ہیں یہ فلاں بت نے دیا ہے، یہ فلاں شخص نے دیا ہے یہ فلاں حکومت نے دیا ہے۔ حکومت کون ہے، اُسے کس نے بنایا؟ بت مخلوق ہے اُسے کس نے بنایا؟ وہ خود محتاج ہے لیکن ہم خانہ پُری کے لیے ایک نام وہاں لکھ چھوڑتے ہیں کہ مجھے اس نے دیا۔ مجھے باپ کی جائیداد مل گئی۔ باپ کون تھا، اُسے کس نے ہمیں دیا، کس نے اسے تخلیق کیا تھا؟

تو اللہ کریم فرماتے ہیں جسے شعور آئے اور اُسے یہ تجسس پیدا ہو کہ کہاں عالم امر اور کہاں فرش خاک۔ میں عالمِ امر سے چلا، کیوں کہ علمائے حق فرماتے ہیں

جہاں الانسان آئے گا یعنی جب لفظ انسان کو معرفہ کر کے لکھا جائے گا وہاں روح مراد ہوگی کیونکہ بدن کو کوئی انسان نہیں کہتا۔ روح ہو تو ابا جی بھی بن جاتا ہے، بھائی بن جاتا ہے، بیٹا بھی بن جاتا ہے، روح چلی جائے تو میت ہے۔ اُسے روح کے بغیر انسان کوئی نہیں کہتا۔ تو کہاں عالم امر سے میں چلا، فرش خاک پر آ گیا اور ساری نعمتیں میرے آنے سے پہلے موجود تھیں۔ اس کے گرم و سرد سے میں گزرا، کون مجھے بچاتا رہا۔ مرورِ زمانہ سے میں گزرا، جوان ہوتا گیا۔ پھر کسی نے وقت کے ساتھ وہ چیزیں مجھ سے واپس لینا شروع کیں۔ وہ کون ہے؟ دی کیوں تھیں، لے کیوں رہا ہے؟ کبھی ہم نے سوچا؟ اگر یہ سوچیں گے تو اُس دینے والے کو پانا اور اس کے لیے کوشش کرنا تصوف ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا

اللہ جل شانہٗ مخلوق کے ادراک سے بالاتر ہے، کسی کے علم، عقل و شعور میں سما نہیں سکتا۔ وہ خالق ہے باقی سب مخلوق ہے لیکن اپنی استعداد کے مطابق اس کے جمال کا کوئی نہ کوئی پہلو ہر کوئی پا لیتا ہے، شرط یہ ہے کہ اس کی تلاش کرے۔ اُس کے جمال کا کوئی نہ کوئی پہلو نبیؑ اپنی استعداد کے مطابق، صحابیؓ اپنی استعداد کے مطابق، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اپنی استعداد کے مطابق، ولی اللہ اپنی استعداد کے مطابق کوئی نہ کوئی جھلک اپنی استعداد کے مطابق پالیتا ہے ورنہ کون مفت عمریں لگاتا ہے، کون راتوں کو جاگتا ہے، بلاوجہ کون دنوں کو مشقت کرتا ہے، ساری عمر مشقت میں ڈھال لیتا ہے وہ کچھ پاتے ہیں، انہیں کچھ ملتا ہے، کوئی چیز ہے جو انہیں بے بس کر دیتی ہے۔ تو انسان کا حق بنتا ہے، اُس کی ذمہ داری بنتی ہے کہ جب وہ ہوش سنبھالے تو وہ سوچے کہ میرے آنے سے پہلے فرش خاک پر کس نے نعمتیں بچھا دیں، اتنے پیار کرنے والے کس نے دے دیے۔ یہی جذبہ انبیاؑ بیدار کرتے ہیں، یہی جذبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں کو عطا فرمایا بیک نگاہ عاشق پروردگار بنا دیا۔ کہاں لوگ کفر کی تاریکیوں اور شرک کی ظلمتوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ (التین: 5) میں کہیں غرق ہوئے ہوئے تھے جنہوں نے قبول کیا وہ ایک نگاہ سے صحابیت کی عظمت پہ پہنچ گئے۔ تو تصوف تو ابتدا ہے ایمان و اسلام کی، مشکل کیسے ہو گیا؟ ہاں ہم نے چھوڑ دیا، ہمیں بھول گیا، ہم نے ہوش سنبھالا تو دینے والے کو بھول گئے، لینے کی کوشش میں کھو گئے وہ بھی لے لوں یہ بھی لے لوں جمع کرتے کرتے جب انبار لگ گیا تو ہم نہ کھانے کے قابل رہے نہ پہننے کے نہ دیکھنے کے، لاٹھی ٹیکتے ہوئے بڑھاپا گزار کر قبر میں چلے گئے، چیزیں، پیچھے والے بانٹتے رہے۔ یار یہ کوئی انسانی عمر کا مصرف ہے۔ کبھی بیٹھ کر تجزیہ کریں کہ اس کام پر بندہ عمر ضائع کر دے تو کتنا گھاٹے کا سودا ہے! عمر کا مصرف تو اُس نے کیا جس نے آنکھ کھولتے ہی یہ تلاش کیا کہ یہ میرا اتنا انتظام کس نے کیا؟ اُسے پاؤں، اُسے دیکھوں، اُس کی بارگاہ میں جاؤں، اس نے مجھے اتنا نوازا، میں اُسے راضی تو کروں وہ مجھ سے خوش تو ہو۔ میں اتنی نعمتیں اس سے لے کر اُس کی ناشکری کرتا رہوں تو پھر! اسلام پہ ایک یہ اعتراض بھی ہوتا ہے کہ اسلام میں بڑی لمبی سزا ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ اتنی نعمتیں پا کر اُسے بھول جانا کتنی بڑی خطا ہے اگر خطا کو دیکھا جائے پھر پتا چلتا ہے کہ اُس نے کمی ہی کی ہے زیادتی نہیں کی۔ خطا تو زیادہ تھی۔

یہ جو ہجوم آپ دیکھ رہے ہیں اللہ کریم ان کی محنت قبول فرمائے یہ سب یہاں آنکھیں بنوانے آئے ہیں۔ وہ نگاہ جو منعم کی طرف مڑ سکے۔ آنکھ پر جو پردہ مرورِ زمانہ نے ڈال دیا ہے کوئی تو ڈاکٹر ہو جو اُسے تھوڑا سا سرکا دے، کچھ تو روشنی آئے۔ یہاں کوئی بزرگ بننے کے لیے، کوئی شیخ بننے کے لیے، کوئی پیر بننے کے لیے، کوئی ہاتھوں پر بوسے دلوانے کے لیے، کوئی گھٹنوں کو ہاتھ لگوانے کے لیے، کوئی چندے لینے نذرانے جمع کرنے کے لیے، ان کاموں کے لیے کوئی نہیں آیا۔ دین کو ذریعہ بنا کر نذرانے حاصل کرنے سے کسی بس کو روک کر لوٹ لینا بہتر ہے۔ حضرت جیؒ کے پاس جانے سے پہلے میں بہتیرے آستانوں پر گیا، چھوڑ دیا۔ ایک دوست نے مجھ سے پوچھا، کمال آدمی ہو چند مہینے جاتے آتے دیکھتے رہتے ہو، چھوڑ دیتے ہو، یہ کیا بات ہے؟ میں نے کہا بھئی بات یہ ہے میں تگڑا آدمی ہوں، اعوان ہوں، اللہ نے مجھے ڈیل ڈول، قد کاٹھ، طاقت دی ہے۔ بندوق میرے پاس ہوتی ہے، اس زمانے میں بندوق رکھنا کاروار تھا آج کل کی طرح نہیں تھا کہ ہر کوئی بندوق

اٹھائے پھرتا ہے پہلے بہت مشکل تھا۔ میں نے کہا یہ خانقاہی نظام اتنا اُجڑ چکا ہے کہ میں جہاں جاتا ہوں وہ کسی نہ کسی روپ میں پیسے اکٹھے کر رہے ہوتے ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ پیسے جمع کرنے کے لیے بہروپ بھرنا ضروری نہیں ہے کہ پیر صاحب بنو، پگڑی باندھو، اوپر ایک چادر ڈالو، آنکھوں میں سرمہ ڈالو، تسبیح پکڑو۔ اس کی کیا ضرورت ہے؟ بھئی ہم تو تگڑے آدمی ہیں مجبور ہو گئے تو ایک بس روکیں گے لوگوں سے چھین لیں گے بس بات ختم۔ اس کی کیا ضرورت ہے کہ اتنا تکلف کریں۔ انہیں کرنے دو اس لیے انہیں چھوڑ کر آجاتا ہوں اور پھر اللہ کریم نے اس کا وعدہ کیا ہے کہ، لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا، ہم اُن کے لیے اپنی راہیں کھول دیتے ہیں، اپنے بندوں کے پاس پہنچا دیتے ہیں۔ پھر ہم حضرت جیؒ کی خدمت میں پہنچ گئے اور جو خواہش و آرزو تھی وہ مل گئی۔ کتنے کامیاب رہے کتنے ناکام اس بات کو چھوڑ دو، اس کی ضرورت نہیں۔ ہمیں اس کی کامیابی، ناکامی سے غرض نہیں، ہمیں غرض اس بات سے ہے کہ جو چاہتے تھے وہاں پہنچ گئے۔ تمنا تھی وصول الٰہی کی، ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں پر صرف اللہ ہی کی تمنا کو پروان چڑھایا جاتا ہے۔ ہمارا کام ہو گیا بات ختم ہو گئی۔ چھوڑو کامیابی، ناکامی ہم کیوں ناکام ہوں گے ہم جو چاہتے تھے وہاں پہنچ گئے۔ اب اُس کی مرضی کتنا دیا، کتنا دے گا، کتنا عطا کر دے اُس کی مرضی۔ اس کی عطا میں ہمارا دخل نہیں ہے۔ ہماری آرزو تھی تو کسی نے ہمارا ہاتھ پکڑا اور درِ محبوب پہ بٹھا دیا، اب ہماری قسمت کہ کب وہ دروازہ کھولتا ہے کب چلمن ہٹتی ہے یہ الگ بات ہے۔ پہنچانے والے نے درِ محبوب پر بٹھا دیا۔ ہم جیت گئے۔ تو یہ سارا کچھ جو ہے یہ تصوف ہے۔ اس میں شرائط بڑی کڑی ہیں۔ جَاهَدُوا فِيْنَا۔ خالص میری طلب دل میں آجائے یہ نہ ہو کہ میں شیخ بن گیا ہوں، پیر بن گیا ہوں، دوسروں سے بزرگ ہو گیا ہوں۔ فِيْنَا تو نہ رہا۔ بات اور رشتہ تو ٹوٹ گیا۔ بات تو محبت کی نہ رہی، بات غرض کی آگئی۔ یہ دنیا بڑی ظالم ہے۔ چیز ہے اور، یہ اس پر رنگ اور چڑھا لیتی ہے۔ یہ پیتل پر سونے کا پانی چڑھا کر سونا کہہ کر بیچ دیتی ہے۔ یہ غرضوں کو محبت کا پانی چڑھا کر محبت کے نام سے بیچ دیتی ہے۔ ہوتی وہ غرض ہے۔ اگر وہ پوری نہ ہو تو وہ غرض کہاں گئی۔ تو دنیا کے رشتوں کا آپ تجزیہ کریں گے حقیقتاً غرضیں ہوں گی اوپر محبت کا پانی چڑھا ہو گا۔ جہاں محبت ہوتی ہے وہاں سود و زیاں نہیں ہوتا۔ یہ غرض آجائے کہ میں پیر بن جاؤں، یہ غرض آجائے کہ لوگ مجھے تحفے دیں، شیرینیاں دیں۔ تو یہ محبت نہیں ہے۔

لوگوں کی بھی عادت ہے یہ لوگ بھی بڑا خراب کرتے ہیں۔ لاکھوں لوگ بے چون و چرا آپ کی بات ماننے پر تیار ہو جائیں تو یہ بات بندے کو فرعون بنا دیتی ہے۔ بڑا مشکل امتحان ہے۔ لاکھوں لوگ آپ کی بات پہ بے چوں و چرا یقین کرتے ہیں پھر آپ خود کو اُن میں سے ہی سمجھیں تو یہ اللہ کا احسان ہے۔ یہ چیز بندے کے نفس کو اکھاڑ لیتی ہے، بڑا مشکل ہے۔ جب ذرا لرزش ہوئی، اپنی بڑائی کا خیال آ گیا۔ اپنے کمالات کا خیال آ گیا۔ مجھے وہ مکاشفات عطا ہو جائیں مجھے وہ کمالات مل جائیں، میں پھونک ماروں تو دنیا اِدھر سے اُدھر ہو جائے تو پھر فِيْنَا تو نہ رہا بات تو تھی فِيْنَا میرے لیے۔ یہ تو میرے میں کچھ اور آ گیا، بات مشکل نہیں ہے نازک ہے بس۔ یہ اس کارگہِ حیات میں نازک ترین بات ہے جو خود کو اپنی آرزوؤں کو، اپنی تمناؤں کو اللہ کے لیے کر لیتے ہیں۔ یہ میں نے جو آپ کو بات سنائی کہ کیسا عجیب آدمی ہے لوگ جنت مانگتے ہیں یہ کہتا ہے میں دوزخ مانگوں گا۔ انہوں نے اس سے پوچھا، دوزخ میں کیا کرو گے تو فرمایا میں دوزخ میں بیٹھ کر ایک دفعہ قلب پہ چوٹ لگاؤں گا "اللہ" ساری دوزخ پاش پاش ہو جائے گی، سب کی جان چھوٹ جائے گی۔ نہ دوزخ ہو گی نہ کسی کو دکھ ہو گا۔ اب اُس کا اللہ سے رشتہ ہے، اُس کا اللہ پر اعتماد ہے۔ اُس نے اللہ کو کیسا پہچانا اُس نے اللہ کو کیسا پایا، اس کے کرم کا کون سا گوشہ اس کے دل میں بسا، اس کے حسن کی کون سی جھلک اُس کے قلب میں گئی۔ اُس بندے کو اتنا ناز ہے اس پر کہ جہاں تجلیاتِ الٰہی ہوں وہاں دوزخ مٹ جائے گی۔ میں پرخچے اڑا دوں گا دوزخ کے۔

ایک ہم ہیں کر لیا اپنی ہی صورت کو بگاڑ
ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے

ہم نے تو خود کو تباہ کر دیا۔ اب ہمیں دنیا کی لذیذ ترین نعمت کڑوی

لگتی ہے اور ایک وہ ہیں جو اس سے سیراب ہو رہے ہیں تو میری عرض یہ تھی کہ آپ تصوف کو سمجھیں۔ اللہ نے آپ کو اس کی طلب دی ہے۔ یہاں تک آنے کی، رہنے کی توفیق دی ہے، ہمارا آپ پر احسان نہیں ہے ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم دل کے ٹکڑے بیچیں۔ بیچنے والوں کے پاس گاہک آئیں تو وہ خوش ہوتے ہیں، خفا نہیں ہوتے۔ کوئی دکاندار اس بات سے خفا ہوتا ہے کہ اتنے گاہک کیوں آگئے وہ تو اس پر فخر کرتا ہے۔ ہمیں تو ایک ایک آنے والے پر فخر ہوتا ہے، ہم اس کے آرام کی تلاش میں رہتے ہیں کہ اُسے کھانا ٹھیک ملے، اُسے رہنے کی جگہ ٹھیک ملے، اُسے پانی اور وضو کی تکلیف نہ ہو پھر بھی لوگوں کو پریشانیاں، تکلیفیں ہوتی ہیں لیکن ہماری خواہش و آرزو اور عملاً کوشش یہ ہوتی ہے کہ ہر آنے والے مہمان کا خیال رکھا جائے، اُس کی سہولتوں کا خیال رکھا جائے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جو ہماری نوکری ہے، جو ہماری خدمت ہے، جو ہماری ذمہ داری ہے یہ لوگ اس میں ہاتھ بٹانے والے ہیں۔ یہ ہمارا کام کر رہے ہیں۔ جتنا مال بکے گا ہم چاہتے ہیں کائنات کا ہر فرد خریدے۔ اللہ نے توفیق دی تو تجزیہ کر کے بھی دیکھ لیں کہ وہ کتنا محسن ہے۔ جب آپ پہچانیں گے تو آپ کے دل میں آرزو پیدا ہوگی کہ اور آگے جاؤں اور قریب سے دیکھوں اور قریب سے بات سنوں اور قریب سے درد دل سناؤں۔ ذکر کرنے سے پہلے کے سجدوں میں اور ذکر نصیب ہونے کے بعد کے سجدوں میں فرق آجاتا ہے۔ کیفیات بدل جاتی ہیں۔ لیکن یاد رکھیے معاملہ بڑا نازک ہے۔ اُسے مرتے دم تک صرف اللہ کے لیے رکھیے درمیان میں بال نہ آئے۔ یہ بال جو ہوتا ہے ناں آجائے تو جا نہیں سکتا کبھی ؎

کیسے بھلا سکتا ہے دل ان کا خیال آیا ہوا
جا نہیں سکتا کبھی شیشے میں بال آیا ہوا

اپنی اپنی نظر ہے دوسرے نے کہا:

میں تو تیرے خیال کو سو بار چھوڑ دوں

میں تو اتنا پھنسا ہوا ہوں کہیں درد ہے، کہیں بخار ہے کہیں ڈاکٹر کے جانا ہے، کہیں دفتر جانا ہے، کہیں روزی کمانی ہے، کہیں بچوں کا کرنا ہے۔

میں تو تیرے خیال کو سو بار چھوڑ دوں
لیکن تیرا خیال نہیں چھوڑتا مجھے

یعنی مزہ تو جب ہے کہ خیال اس طرح راسخ ہو جائے کہ وہ کہہ اٹھے کہ۔

لیکن تیرا خیال نہیں چھوڑتا مجھے

مجھے یاد ہے ہم پشاور جا رہے تھے یا آرہے تھے، اثنائے سفر میں تھے تو میں نے اُس شعر کی تشریح کی تو حضرت حافظ صاحب تشریف رکھتے تھے ساتھ تو فرمانے لگے یہ تم کہہ رہے ہو، شاعر کو اس کی خبر نہیں تھی، جس نے یہ شعر کہا اس نے یہ سوچ کر نہیں کہا۔ میں نے کہا، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں میں تو اپنی لذت لے رہا ہوں، مجھے تو اُس کی سمجھ یوں آرہی ہے کہ مجھ پر ہوتا تو میں تیری یاد بھی بھول جاتا، یہ تیرا احسان ہے۔

لیکن تیرا خیال نہیں چھوڑتا مجھے

یہ تیرا احسان ہے کہ تو نے مجھے اس میں لگا دیا اب یہ خیال میری زندگی بن گیا ہے۔ مر تو سکتا ہوں اسے چھوڑ نہیں سکتا۔ کیونکہ بجائے سانس لینے کے اللہ کہنا میری حیات بن گیا ہے۔ تو کوشش کیجیے اُس کے احسانات کو یاد رکھیے، اس ہستی کو دیکھیے جس نے آپ کو فرشِ خاک سے اٹھا کر اللہ کے روبرو کر دیا صلی اللہ علیہ وسلم۔ کیا عجیب ہستی تھی، کیا عجیب رحمت العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ہے۔ ہر کہہ و مہ، چھوٹے بڑے، نیک و بد کو جس نے آپ کا دامن تھاما اُسے اللہ کے روبرو کر دیا، وہ جانے رب جانے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (الفاتحہ:4) وہ اپنا درد دل کہتا رہے۔

کر دیا ہم سخن بندوں کو خدا سے تو نے

کہاں بندہ، کہاں اللہ رب العزت، اُسے پکڑ کر اللہ کے روبرو کر دیا۔ اسی طرح ہر ایک کا اپنا مقام ہے۔ علما کا اپنا، بزرگوں کا اپنا، مشائخ کا اپنا، شیخ کا اپنا، والدین کا اپنا، اولاد کا اپنا، یہ سارے رشتے، یہ ساری نعمتیں اُس کی عطا ہیں۔ بنانے والے نے ایک گاڑی بنائی اُس میں بے شمار پرزے لگا دیئے۔ ہر پرزہ اس کو چلانے میں معاون ہے۔

ہم ٹکریں مارتے ہیں، ہم بے احتیاطی کرتے ہیں، ہم تیل گریس نہیں دیتے تو وہ پرزے خراب ہوجاتے ہیں۔ گاڑی میں خرابی آنا شروع ہو جاتی ہے۔ بنانے والے نے تو خرابی نہیں کی۔ اُس کریم نے یہ سارے رشتے، یہ سارے امورِ زندگی، یہ سارے کام ہمیں زندگی کی گاڑی چلانے کے لیے دیئے ہیں۔ کہیں ہم تیل گریس نہیں کرتے، صفائی نہیں کرتے کہیں ٹکر ماردیتے ہیں تو کہتے ہیں اس سے بھائی نہ ہوتے ہمیں تو بھائیوں نے تباہ کر دیا۔ یہ نہیں سوچتے کہ میں نے بھائیوں کے لیے کیا بنایا ہے کہیں میری غلطی سے تو یہ پرزے کا ایک دندانہ نہیں ٹوٹا۔ یہ ہم نہیں سوچتے۔ تو رشتے ناطوں میں، کاروبار میں، نوکری، سروس میں، مجھے بہتیرے خط آتے ہیں کہ جی میرے دفتر میں مجھ سے لوگ حسد کرتے ہیں میرے خلاف سازش کرتے ہیں۔ ارے بھائی! تم سازش کا موقع دیتے ہو تو وہ کرتے ہیں۔ کہیں کوئی غلطی کرتے ہو تو وہ اچھالتے ہیں ناں۔ تو اپنی غلطی کو (trace) کرو، اپنا کام مکمل کرو، اپنی ذمہ داری کو پورا کرو۔ اس طرف ہماری توجہ نہیں جاتی تو ہم، جو رشتے اللہ نے پیار کے لیے دیے ہیں انہیں بھی اپنا دشمن بنالیتے ہیں۔

اسی طرح بنیادی غلطی یہ ہوتی ہے کہ جب آنکھ کھلتی ہے تو ہم دل کی پروا نہیں کرتے، دماغ کو مادی چیزوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ دماغ کے سہارے جیتے ہیں دل کو پوچھتے نہیں۔ عمریں گزر جاتی ہیں۔ دل کو زندہ کیجیے، آبِ حیات یہاں عام ہے، کوئی قدغن نہیں، کوئی پابندی نہیں۔ الحمدللہ! یہ اجتماعات ساٹھ کی دہائی سے شروع ہوئے اور میرے غریب خانے سے شروع ہوئے، اسی (1980) تک یہ عزت میرے غریب خانے کو حاصل رہی۔ اسی (80) کی دہائی کی ابتداء سے یہ یہاں آ گئی۔ اجتماع چل رہے ہیں، اللہ انہیں جاری رکھے، چلتے رہیں۔ یہ اجتماع سالانہ ہوتے تھے، پچھلے دو سال سے میں نے یہ عرض کر دیا ہے کہ سالانہ اجتماع تو اپنی جگہ رہے گا لیکن سارا سال اجتماع ہی سمجھیں جب جس کو وقت مل جائے وہ آ جائے۔ دو دن چار دن وہ اجتماع ہی سمجھیں یہ سارا سال چلتا رہے گا۔ بہت سے لوگ ذاتی امور میں مصروف ہوتے ہیں، ملازمتوں میں مصروف ہوتے ہیں چھٹی نہیں ملتی۔ بیماری ہوتی ہے کہیں بچہ بیمار ہے، والدہ بیمار ہے کوئی اور گھر میں نہیں تو نہیں آ سکتے۔ جب فرصت ملے تب آجائیں۔ آپ کو اللہ وہی برکات دے گا جو اجتماع کی ہیں۔ تو یہ اجتماع الحمدللہ! سارا سال رہتا ہے۔ جب آپ کو فرصت ملے تب تشریف لے آئیں یہ آپ کا اپنا گھر ہے۔ کسی کا آپ پر کوئی احسان نہیں۔ جہاں تک ہماری ذات کا تعلق ہے کہ ہم سے میری مراد یہاں کے خادم، یہاں کے رہنے والے ذمہ داروں کی جو جماعت ہے ان کا کسی پر احسان نہیں۔ ہماری نوکری ہی یہ ہے اور ہم نے یہ کرنا ہے۔ میں نے چھوٹی سی فلاسفی عرض کر دی جو اللہ نے مجھے سمجھائی تھی میں نے آپ کے سامنے رکھ دی۔ یہ محض خوبصورت تقریر اور الفاظ سمجھ کر نہیں، اس پر بھی غور کیجیے گا، فکر کیجیے گا۔ اللہ کریم آپ کی راہنمائی فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O

O O O

صفحہ نمبر 44 سے آگے

کہ یہ دائیں بائیں کی طرف متوجہ ہوئے بغیر صرف میرے بچاؤ کے لئے لڑتی رہیں۔ نیزوں اور تلواروں کے واروں سے اُن خاتون کے جسم پر بارہ زخم آئے تھے۔ حقیقت میں یہ ایک خاتون کی بہادری بلکہ غیر معمولی بہادری تھی۔ جبکہ عورتیں تو کیا مردوں کے لئے بھی ان زخموں کو برداشت کرنا آسان نہیں۔

غزوہ اُحد میں لڑائی کے دوران حضرت قتادہؓ آپ ﷺ کے سامنے رہ کر دشمن کے تیروں کو خود پر روک رہے تھے کہ ایک تیر لگنے سے آنکھ کا ڈھیلا باہر نکل آیا جسے ہاتھ میں لے کر جلدی سے وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان کی آنکھ اپنے دستِ مبارک سے اپنی جگہ پر بٹھا دیا جس سے آنکھ بالکل اچھی ہوگئی بلکہ دوسری آنکھ سے بھی بہتر ہوگئی۔ دشمن کے شکست کھا کر بھاگ جانے کے بعد نبی اکرم ﷺ نے اپنے مجاہدین کے ساتھ تین روز تک مقام اُحد میں قیام فرمایا، شہدا کو دفن کیا گیا اور پھر مدینہ منورہ کی طرف تشریف لے گئے۔ ایک خاتون جن کے چار بیٹے اس غزوہ میں شہید ہوئے تھے، مدینہ منورہ سے باہر تک نبی اکرم ﷺ اور مجاہدین کے استقبال کے لئے آئیں اور نبی اکرم ﷺ (اس وقت اپنے گھوڑے پر سوار تھے) کے پاؤں مبارک پر بوسہ دے کر شکر ادا کیا کہ آپ ﷺ خیریت سے ہیں۔

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک

شیخ المکرم حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کا بیان

سورۃ النحل

شیخ کی تقلید:

قولہٗ تعالیٰ: فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ النحل:43

ترجمہ: سو اگر تم کو علم نہیں تو اہل علم سے پوچھ دیکھو۔

''اگر نہیں جانتے تو جاننے والوں سے پوچھو۔ تو فرماتے ہیں اس میں شیخ کی بات پر چلنا اور شیخ کی تقلید کرنا اطاعت کے مطابق ہو گیا۔''

مسئلہ مظہریت:

قولہٗ تعالیٰ: وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ النحل:53

ترجمہ: اور تمہارے پاس جو کچھ بھی نعمت ہے سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

''باوجود بعض نعمتوں کے ظاہراً منجانب خلق کے ہونے کے سب حق تعالیٰ کی طرف سے فرمانا ممکن ہے کہ اس طرف اشارہ ہو کہ نعم کے سب وسائط منعم حقیقی کے مظاہر ہیں اور یہی مسئلہ ہے مظہریت کا۔''

فرمایا بظاہر بعض نعمتیں مجھے پتہ چلتا ہے یہ مجھے بھائی نے دیں دوست نے دیں لیکن حقیقتاً اسباب بھی وہی پیدا فرماتا ہے اور سارا کام اصل دینے والا اللہ کریم ہے۔

قولہٗ تعالیٰ: وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى النحل:60

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کے لیے تو بڑے اعلیٰ درجہ کے صفات ثابت ہیں۔

''سورہ روم میں ایسی ہی آیت ہے دیکھ لو۔''

یعنی عظمت، بڑائی، پاکیزگی، یہ ساری قدرت کاملہ، یہ ساری چیزیں اللہ کے لیے ہیں اور بندے کو یہ دعوے نہیں کرنے چاہئیں کہ وہ لوگوں پر رعب جماتا پھرے کہ تم مجھے نہیں جانتے میں یہ ہوں، میں وہ ہوں یا میں بڑا پاکباز ہوں یا میں بڑا متقی ہوں یہ اوصاف اللہ کریم کے ہیں یہ بندے کے نہیں۔

یعنی ہر طرح کی بڑائی اور عظمت جو ہے وہ اللہ کریم کا خاصہ ہے۔ کسی کے پاس بڑے سے بڑے درجات آجائیں، بڑے سے بڑا عہدہ آجائے، بڑے سے بڑا مرتبہ آجائے، دولت آجائے، صحت ہو، جوانی ہو، طاقت ہو کوئی چیز بھی ہو تو درحقیقت وہ اللہ کی دی ہوئی ہے اس کا اپنا کچھ نہیں لہٰذا بندے کو اترانا یا فخر نہیں کرنا چاہیے۔

صورت کا معتد بہ ہونا:

قولہٗ تعالیٰ: يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ النحل:69

ترجمہ: اس کے پیٹ سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہے جس کی رنگتیں مختلف ہوتی ہیں کہ اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔

''روح میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ کبھی ظاہری حقیر شئے میں کوئی عزیز شئے رکھ دیتے ہیں اس لیے صورت پر نظر نہ کرنا چاہیے جیسا حدیث میں ہے کہ بہت سے میلے کچیلے ایسے مقبول ہوتے ہیں کہ اگر اللہ کے بھروسہ پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری کر دیتا ہے۔''

یہ شہد کی مکھی کے بارے میں ہے کہ ایک حقیر سی مکھی ہے وہ مختلف پھولوں سے رس لیتی ہے اور اس کے پیٹ میں سے اللہ کریم شہد

نکالتے ہیں جو لذیذ بھی ہوتا ہے مختلف رنگوں میں ہوتا ہے اور اس میں ہر مرض کی شفا بھی موجود ہے۔ تو بظاہر ایک حقیری سی مکھی ہے۔ پھر اس کے پیٹ سے شہد نکلتا ہے اور بظاہر ایک بڑی گھٹیا سی چیز ہے لیکن اللہ کریم نے اس میں شفا رکھ دی ہے، لذت رکھ دی ہے، خوبصورتی رکھ دی ہے۔ اس طرح سے بعض لوگ اہل اللہ میں بھی ایسے ہوتے ہیں کہ مادی طور پر غریب ہوتے ہیں، اچھا لباس نہیں پہن سکتے یا شان وشوکت سے نہیں رہ سکتے مگر ان میں برکت اور فیوضات اللہ نے رکھ دی ہیں لہٰذا اہل اللہ کسی طبقے سے بھی ہوں ان کا احترام اور لحاظ ضروری ہے۔

ذات وصفات میں رائے سے کلام نہ کرنا:

قولہ تعالیٰ: فَلَا تَضْرِبُوا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ النحل:74

ترجمہ: سو تم اللہ کے لیے مثالیں مت گھڑو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے۔

''اس میں دلالت ہے کہ ذات وصفات میں رائے اور ذوق سے کلام نہ کرنا چاہیے اور اس سے اسماء الٰہیہ کا توقیفی ہونا بھی ظاہراً معلوم ہوتا ہے۔''

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے صفات اور صفاتی نام ہیں ان میں وہی کچھ کلام کرنا چاہیے جو بزرگوں سلف صالحین سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین سے منقول ہے۔ اپنی طرف سے اس میں کوئی بات نہ ہونی چاہیے اس لیے کہ اللہ جاننے والے ہیں۔ حضور نے جو فرمایا وہ اللہ کے دیئے علم سے فرمایا اور عام آدمی کچھ نہیں جانتا وہ اس کا حق ادا نہیں کرسکتا اس لیے اپنی رائے یا اپنے ذوق سے کچھ نہیں کہا جانا چاہیے۔

اصول اخلاق:

قولہ تعالیٰ: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاۗئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ النحل:90

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں۔

''آیت کا اصول اخلاق کے لیے جامع ہونا ظاہر ہے۔''

فرماتے ہیں، یہ اخلاقیات کیلئے اعلیٰ اصول اللہ نے ارشاد فرمائے ہیں۔

عقبیٰ کو دنیا پر ترجیح نہ دینا:

قولہ تعالیٰ: مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ النحل:96

ترجمہ: اور جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جاوے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ دائم رہے گا۔

''آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے کے باب میں صریح ہے۔''

فرمایا یہ بڑی صاف اور صریح دلیل ہے اس بات پر کہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دی جائے۔ مثلاً بعض اوقات کسی کو ناجائز پیسہ مل رہا ہے۔ دنیاوی اعتبار سے تو اسے کروڑوں روپے مل رہے ہیں لیکن وہ ناجائز رقم لینے سے اس کی آخرت تباہ ہونے کا خطرہ ہے تو آخرت کو بچائے چونکہ دنیا نے بہرحال تباہ ہو جانا ہے پاس رہنا نہیں ہے اس لیے آخرت کا لحاظ رکھا جائے۔

حیات طیبہ کی حقیقت:

قولہ تعالیٰ: فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ النحل:97

ترجمہ: تو ہم اس شخص کو بالطف زندگی دیں گے۔

''روح میں بعض کا قول نقل کیا ہے کہ حیٰوۃ طیبہ وہ ہے جو محبوب کے ساتھ ہو اور یہ اولیاء کو دنیا میں بھی میسر ہو جاتا ہے۔''

فرماتے ہیں حیات طیبہ یعنی بالطف زندگی، پاکیزہ زندگی، مزیدار زندگی ہے تو فرماتے ہیں مزیدار زندگی وہ ہوتی ہے جو کسی کو محبوب کے ساتھ نصیب ہوتی ہے۔ چونکہ محبوب اللہ کریم ہے لہٰذا حیات طیبہ کا اطلاق اولیاء اللہ پر ہوتا ہے۔ جنہیں معیت باری نصیب ہوتی ہے۔

شیطان کا مومن پر قابو نہ ہونا:

قولہ تعالیٰ: اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا النحل:99

ترجمہ: یقیناً اس کا قابو ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں۔

''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کا مومن پر ذرا بھی زور نہیں چلتا۔ یعنی جب مومن اس پر غالب آنا چاہے اور یہ امر مشاہد ہے۔''

یہ بھی بڑی خوبصورت بات ہے۔ ہم جو غلطی بھی کرتے ہیں ہم کہتے ہیں یہ شیطان نے مجھ سے کرایا ہے تو اگر شیطان کا ہم پر زور چلتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارے ایمان میں کہیں کوئی کمی ہے چونکہ کسی کا عقیدہ درست ہو وہ ایمان والا ہو تو شیطان کا زور نہیں چلتا، اس سے شیطان کچھ نہیں کروا سکتا۔

وسوسہ کا مضر نہ ہونا:

قولہ تعالیٰ: وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا النحل: 106

ترجمہ: لیکن ہاں جو جی کھول کر کفر کرے۔

''اور چونکہ وسوسہ میں یہ شرح صدر نہیں ہوتا اور نہ اختیار ہوتا ہے بلکہ اس کی بے اختیاری اکراہ کی بے اختیاری سے اشد ہے اس لیے اس میں مطلق ذم نہیں۔''

فرماتے ہیں یہ جو وساوس آتے ہیں۔ یہ دو چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک ہوتا ہے، وسوسے کا آنا ایک ہوتا ہے، وسوسے کا لانا از خود۔ یہ دو مختلف باتیں ہیں۔ وسوسے کا آنا غیر اختیاری ہوتا ہے کہ شیطان کوئی بات القاء کرتا ہے تو مومن اسے رد کرتا ہے۔ اس پر مزید سوچ بچار شروع نہیں کر دیتا بلکہ اسے سرے سے رد کر دیتا ہے اور توبہ استغفار کرتا ہے اور اللہ کے حکم کے مطابق اللہ کا ذکر شروع کر دیتا ہے تو وہ وسوسہ ختم ہو جاتا ہے۔ ایسا وسوسہ گناہ نہیں ہے یہ غیر اختیاری ہے۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ وسوسہ کے رد کرنے والے کو جہاد کا ثواب ملتا ہے۔ وسوسہ لانا بری بات ہے کہ خود اوٹ پٹانگ سوچنا شروع کر دے تو پھر اسے سوچتا ہی چلا جائے۔

حب دنیا کی مذمت اور اس کی تعیین:

قولہ تعالیٰ: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ النحل:107

ترجمہ: یہ اس سبب سے ہوگا کہ انہوں نے دنیوی زندگی کو آخرت کے معاملے میں عزیز رکھا۔

''حب دنیا کے مذموم ہونے میں صریح ہے اور اس میں بھی کہ وہ حب مذموم وہ ہے جس میں دنیا کا ایثار ہو، آخرت پر نہ کہ حب طبعی کہ اس پر ملامت نہیں۔''

فرمایا، اس میں مذمت کی گئی ہے ان دنیاوی نعمتوں کی جو ناجائز طریقے سے حاصل کی جاتی ہیں جو اس نے آخرت کو چھوڑ کر دنیا کو حاصل کیا۔ طبعی طور پر حصول دنیا ممنوع نہیں ہے۔ چونکہ ہم دنیا میں رہتے ہیں ہم نے کھانا بھی ہے پہننا بھی ہے، ضروریات کے لیے دنیا حاصل کرنا محنت کرنا تجارت کرنا۔ سرمایہ کمانا یہ منع نہیں ہے بشرطیکہ جائز طریقے سے ہو اور جب جائز طریقہ چھوڑ دیا جائے تو پھر اس کا مطلب ہے اس نے اپنی آخرت چھوڑ دی صرف دنیا کے لالچ میں لگا ہوا ہے اس پر وعید ہے، یہ غلط بات ہے۔

نعمتوں کے تحقیر کی مذمت:

قولہ تعالیٰ: فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ النحل:112

ترجمہ: سو انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی بے قدری کی۔

''اسی کے قریب بلاء میں بہت سے مدعیان زہد مبتلا ہیں کہ حق تعالیٰ کی نعمتوں کو حقیر سمجھتے ہیں اور اپنے کو لذات کا تارک سمجھتے ہیں اور تارک ذات ہو جاتے ہیں۔ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں دیکھتے وما بکم من نعمتہ فمن اللہ اور فکلوا مما رزقکم اللہ الایۃ''

وہ پکارے گا کہ یا اللہ مجھ سے غلطی ہو گئی مجھے معاف کر

دے۔ تو ارشاد ہوگا کہ اگر غلطی کا اعتراف کرتا ہے اسے اندازہ ہوگیا ہے کہ اس کی عبادت کی کوئی حقیقت نہیں ہے میری نعمتوں کے مقابلے میں تو اسے جنت میں بھیج دو۔ یعنی بندہ حساب کر کے اس بارگاہ میں جیت نہیں سکتا۔ يَاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ البقرہ: 21 يَاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ اے لوگو اس پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا۔ نابود سے بود کیا، نیست سے ہست کیا۔ تمہیں کتنی خوبیاں، کتنی خصوصیات، کتنی سہولتیں، کتنی نعمتیں عطا کیں تو انسان اپنی عبادات کی اجرت اتنی وصول کر چکا ہے کہ ساری زندگی صرف عبادت ہی کرتا رہے تو کسی ایک نعمت کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔ تو اس لیے پیدل چل پڑنا وقت کی ناقدری ہے۔ اور میں نے دیکھا ہے کہ اکثر تبلیغی احباب کو بیچارے خلوص سے ہی چلتے ہیں۔ گھر سے وقت لے کے آتے ہیں کام چھوڑ کے آتے ہیں سخت کام ہے تبلیغ کرتے ہیں۔ یہ ان بزرگوں کو جو ان کی رہنمائی کرتے ہیں سوچنا چاہیے کہ اس گاؤں سے اس گاؤں جانے کے لیے اگر وہ سواری لے لیں تو وہ وقت جو راستے میں خرچ ہونا ہے وہ وقت بچ جائے گا وہاں جا کر اپنا تبلیغی کام کر لیں۔ تو بجائے اس کے کہ وہ قدموں کا حساب اللہ کے ذمے کرتے رہیں اللہ نے اپنی نعمتوں کے حساب کا دفتر کھول دیا تو پھر کیا ہوگا۔ تو اس لیے فرماتے ہیں کہ اللہ کی نعمتیں بے پناہ ہیں، ان کی قدر کی جانی چاہیے۔

یہ دو چیزیں ہمارے ہاں بڑی عام ہیں۔ ایک محتاج ہوتے ہوئے ضرور تمند ہوتے ہوئے رخصت پر عمل نہیں کریں گے۔ بیمار ہیں تیمم نہیں کریں گے۔ بدن میں رعشہ ہوگا۔ کمزوری سے بے حال ہوں گے لیکن روزہ رکھنے پر مصر ہوں گے۔ اللہ کی دی ہوئی رعایت سے فائدہ نہیں اٹھائیں گے۔ اللہ نے پیر فرتوت کو جس کے واپس طاقتور ہونے کی امید نہ رہے اسے تو اللہ نے کفارہ کا حکم دیا ہے کہ جیسا کھانا خود کھاتے ہو دو وقت کے کھانے کا اندازہ کر کے ایسا کھانا کسی غریب کو دو وقت کھلا دو یا اتنے پیسے دے دو تمہارے روزے کا کفارہ ہو جائے گا۔ تو پھر تم ضد سے روزہ رکھ کر شام کو بدحال پہنچے ہوگے یا عصر کے وقت توڑنا پڑے گا۔ یہ کون سی نیکی ہے یہ تو گستاخی ہے کہ اللہ فرمائے گا کہ میں نے رخصت دی اور تو اپنے آپ کو اتنا طاقتور سمجھتا ہے اسی طرح بعض کو تکلیف ہوجاتی ہے۔ چار بندے اٹھا کر غسل خانے لے جاتے ہیں پھر کوئی ہاتھ دھو رہا ہے کوئی پاؤں دھو رہا ہے لیکن بزرگ مصر ہیں کہ وضو ہی کرنا ہے تیمم نہیں کرنا یہ کون سی ضد ہے اللہ نے تیمم کی اجازت دی ہے اگر وضو نہیں کر سکتے تیمم کر لو۔ تو اللہ کی رخصتوں پر بھی عمل کرنا اتنا ہی ثواب ہے جتنا عزیمت پر عمل کرنا ہے۔ وہ بھی اللہ ہی کا حکم ہے یہ بھی اللہ کا حکم ہے۔ اسی طرح غربت ہے افلاس ہے سادے کپڑے ہیں تو انہیں دھو تو سکتا ہے۔ مرمت تو کر سکتا ہے صاف ستھرے تو رکھ سکتا ہے۔ یہی حال لوگوں نے حُلیئے کا بنا رکھا ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص حاضر ہوا لباس میلا کچیلا تھا، داڑھی بے پناہ بڑھی ہوئی، آنکھوں میں گھسی ہوئی تھی، کانوں پر چڑھی ہوئی اور پھیلی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے دیکھ کر پوچھا کہ تمہاری اتنی حیثیت نہیں کہ تم اچھا لباس پہن سکو؟ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اللہ کا دیا ہوا سب کچھ ہے تو فرمایا پھر یہ حلیہ کیوں بنایا ہوا ہے اور کیا تم یہ داڑھی ٹھیک نہیں کر سکتے، اسے دھو کر تیل لگا کر سنوار نہیں سکتے اور اس کی کوئی حد نہیں بنا سکتے۔ ابھی جاؤ اور داڑھی کو بھی ٹھیک کر کے آؤ اور لباس کو بھی ٹھیک کرو۔ تو یہ نیکی نہیں ہے کہ اللہ کریم کے ساتھ بھی مکر کیے جائیں نیکی یہ ہے کہ اس کی دی ہوئی نعمتوں کی قدر کی جائے **ما نعم اللہ** آیت نمبر۔۔ اللہ کی نعمتوں کی ناقدری نہیں کرنی چاہیے۔ ہاں یہ بات بھی معیوب ہے کہ اپنی حیثیت سے بڑھ کر، ادھار لے کر، قرض لیکر اخراجات کرے اور لباس پہنے اور بناوٹی شان بنائے یہ بھی زیادتی ہے اس کی بھی اجازت نہیں لیکن اپنی حیثیت کے مطابق ضرور رہے۔

شریعت وطریقت میں مبائن نہ ہونا:

قولہ تعالیٰ: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ

هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ النحل:116

ترجمہ: اور جن چیزوں کے بارے میں محض تمہارا زبانی جھوٹا دعویٰ ہے ان کی نسبت یوں مت کہہ دیا کرو کہ فلانی چیز حلال ہے اور فلانی حرام ہے۔

''اس سے معلوم ہوا کہ طریقت کے احکام شریعت کے مباین نہیں کہ یہاں کا حلال وہاں حرام ہو یا بالعکس۔''

فرماتے ہیں ارشاد باری ہے کہ خوامخواہ جھوٹ بول کر جن چیزوں کو اللہ نے حلال کیا ہے ان کو حرام نہ کہو جن کو اللہ نے حرام کیا ہے ان کو حلال نہ کہو۔ فرماتے ہیں یہ جو صوفی کہتے ہیں کہ شریعت اور ہے اور طریقت اور ہے یہ درست نہیں۔ طریقت تو شریعت پر خلوص سے عمل کرنے کا نام ہے۔ حلال وحرام وہی ہیں جو شریعت میں ہیں صوفی کے لیے بھی اور دوسرے کے لیے بھی ایک ہی ہیں۔

دنیوی نعمت سے آخرت کا درجہ نہ گھٹنا:

قولہ تعالیٰ: وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ النحل:122

ترجمہ: اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبیاں دیں تھیں اور وہ آخرت میں بھی اچھے لوگوں میں ہوں گے۔

''اس میں دلالت ہے کہ دنیا میں نعمتوں کا مل جانا مقام عقبیٰ کا منقص نہیں اور بعض نے جو کہا ہے کہ مشہور ولی کا مقام غیر مشہور سے کم ہے۔ مراد اس سے وہ ہے جس میں شہرت کی آفات پیدا ہوگئی ہوں۔''

اللہ اپنے بندوں کو دنیا میں بھی آسانیاں، عزت، شہرت آرام دیتا ہے اور آخرت میں بھی وہ نیکوکار لوگوں میں سے ہوں گے تو فرماتے ہیں دنیا کی نعمتوں کا جائز طریقے سے ملنا یہ منازل سلوک کے منافی نہیں ہے اور نہ اخروی مقامات کے منافی ہے۔ یہ اللہ کا انعام ہے۔ ایک قول ہے صوفیاء کا کہ جو صوفی یا اولیاء اللہ مشہور ہو جاتے ہیں ان کا مرتبہ ان سے کم ہے جو مشہور نہیں ہوتے اور غیر معروف زندگی گزار دیتے ہیں تو فرمایا یہ اخروی اجر کے اعتبار سے نہیں کہا گیا بلکہ یہ اس لیے کہا گیا ہے کہ جو مشہور ہو جاتے ہیں ان کے منازل کم نہیں ہوتے ان پر مصیبتیں زیادہ آتی ہیں۔ ان کے زیادہ منکرین اور معاندین پیدا ہو جاتے ہیں اور ان پر تکلیفیں زیادہ آتی ہیں۔ بہ نسبت ان کے جو مشہور نہیں ہوتے ان پر کم تنقید ہوتی ہے کم لوگ ان کے مقابلے میں کھڑے ہوتے ہیں۔

دعوت الی الحق میں اہل اللہ کا طریق:

قولہ تعالیٰ: اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ النحل:125

ترجمہ: آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعے سے بلایئے الی قولہ تعالیٰ آپ کا رب خوب جانتا ہے اس شخص کو بھی جو اس کے راستے سے گم ہوا۔

''اس میں اہل اللہ کے طریق دعوت کی تفصیل ہے اور یہ کہ تبلیغ کے بعد اصرار کی ضرورت نہیں اور یہی مذاق ہے اہل طریق کا۔''

فرمایا اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ تبلیغ کے لیے کسی کو چمٹ نہیں جانا چاہیے کسی سے ضد نہیں کرنی چاہیے۔ اگلے کو تنگ نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ اور اللہ کے رسول کی بات احسن اور اچھے طریقے سے پہنچا دینی چاہیے اور بات ختم ہوگئی۔ آگے اللہ کا اور بندے کا معاملہ ہے۔ جسے ہدایت نصیب ہوگی اسے ہدایت ہوگی اگر اس کے نصیب میں نہیں ہے اسے نصیب نہیں ہوگی۔

صبر:

قولہ تعالیٰ: وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ النحل:126

ترجمہ: اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت ہی اچھی بات ہے۔

''صبر کا خصال اہل اللہ سے ہونا ظاہر ہے۔''

فرمایا اہل اللہ میں صبر کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ بہت سی چیزیں برداشت کر جاتے ہیں۔

اکرم التفاسیر

سورۃ الکہف آیات 75 تا 82

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O وَالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی
حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ O اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ
الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ
انہوں (خضرؑ) نے کہا کیا میں نے آپ سے کہا نہیں تھا کہ یقیناً آپ سے میرے ساتھ ہرگز صبر
صَبْرًا ۝75 قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَیْءٍۭ بَعْدَهَا
نہ ہو سکے گا۔ انہوں (موسیٰؑ) نے فرمایا اگر اس کے بعد میں آپ سے کسی چیز کے بارے سوال کروں تو
فَلَا تُصٰحِبْنِیْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا ۝76
مجھے ساتھ نہ رکھیں بے شک آپ میری طرف سے عذر (کی انتہا) کو پہنچ چکے ہیں۔ پھر دونوں چل
فَانْطَلَقَا حَتّٰٓی اِذَآ اَتَیَآ اَهْلَ قَرْیَةِ نِ اسْتَطْعَمَآ
دیئے یہاں تک کہ جب گاؤں والوں کے پاس پہنچے تو ان لوگوں سے کھانا مانگا پس انہوں نے ان کی
اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِیْهَا جِدَارًا
میزبانی (کھانا دینے) سے انکار کر دیا۔ پھر ان کو وہاں ایک دیوار ملی جو گرا چاہتی تھی تو اس (بزرگ) نے اسے
یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَیْهِ
(ہاتھ کے سہارے سے) سیدھا کر دیا انہوں (موسیٰ علیہ السلام) نے فرمایا اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ اجرت ہی لے لیتے
اَجْرًا ۝77 قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَ بَیْنِكَ سَاُنَبِّئُكَ
انہوں نے فرمایا یہ وقت میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا ہے۔ جن باتوں پر آپ صبر نہ کر سکے میں جلد ہی
بِتَاْوِیْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ۝78 اَمَّا السَّفِیْنَةُ
آپ کو ان کا بھید بتائے دیتا ہوں۔ وہ جو کشتی تھی سو غریب لوگوں کی تھی جو دریا میں محنت مزدوری کرتے
فَكَانَتْ لِمَسٰكِیْنَ یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ
تھے تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں اور ان لوگوں سے آگے (دوسرے کنارے پر) ایک بادشاہ تھا
اَعِیْبَهَا وَ كَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ یَّاْخُذُ كُلَّ سَفِیْنَةٍ
جو ہر کشتی کو زبردستی چھین رہا تھا اور رہا لڑکا پس اس کے ماں باپ ایمان والے تھے تو ہمیں اندیشہ ہوا کہ (بڑا ہو کر)
غَصْبًا ۝79 وَ اَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَیْنِ
ان کو سرکشی اور کفر میں نہ ڈال دے۔ تو ہم نے چاہا کہ ان کا پروردگار ان کو اس کی جگہ اور (بچہ)
فَخَشِیْنَآ اَنْ یُّرْهِقَهُمَا طُغْیَانًا وَّ كُفْرًا ۝80 فَاَرَدْنَآ اَنْ
عطا کرے جو پاکیزگی (یعنی دین) میں اس سے بہتر اور (ماں باپ سے) محبت کرنے میں (اس سے)
یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ۝81
بڑھ کر ہو۔ اور رہی وہ دیوار تو وہ شہر میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ دفن تھا
وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ
اور ان کا باپ بہت نیک تھا۔ سو آپ کے پروردگار نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ
وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا فَاَرَادَ رَبُّكَ
جائیں اور اپنا خزانہ نکال لیں آپ کے پروردگار کی مہربانی سے۔ اور میں نے یہ کام اپنی
اَنْ یَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَیَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ وَمَا
طرف سے نہیں کیے۔ یہ ان باتوں کی حقیقت ہے جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔
فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ ذٰلِكَ تَاْوِیْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ۝82

اَللّٰھُمَّ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ O مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ۔

قَدْ جِئْتَ شَیْئًا نُّكْرًا۔ موسیٰؑ اور خضرؑ کا مکالمہ جاری ہے۔ موسیٰؑ نے فرمایا، آپ نے بہت بے جا حرکت کی ہے۔ چلیں آپ نے کشتی میں بال ڈال دیا تھا تو وہ کنارے تو لگ گئی بندے تو بچ گئے لیکن یہ تو آپ نے قتل ہی کر دیا، یہ آپ نے کیا کیا؟ کوئی بڑا ہوتا تو میری سمجھ میں آتا کہ اس کے کوئی گناہ ہوں گے، کوئی جرم ہوگا اس نے کسی کو قتل کیا

ہوگا تو یہ واجب القتل ہوگا۔ یہ تو معصوم بچہ کھیل رہا تھا، آپ نے اسے قتل کر دیا، یہ تو آپ نے بڑی عجیب حرکت کی۔ حضرت خضرؑ نے پھر عرض کی۔ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ کیا میں نے آپؑ سے عرض نہیں کیا تھا کہ آپ میرے ساتھ نہ رہیں، میری باتوں کو آپ برداشت نہیں کر پائیں گے، آپ سے صبر نہیں ہوگا۔ موسیٰ علیہ السلام کو پھر اپنا وعدہ یاد آ گیا کہ میں نے وعدہ تو کیا تھا کہ سوال نہیں پوچھوں گا اور دیکھتا جاؤں گا لیکن آپ کی باتیں عجیب وغریب ہیں، قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ۝ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کے بعد اگر آپ کے کسی کام یا کسی بات پر میں گرفت کروں یا سوال کروں تو پھر آپ مجھے اپنے آپ سے الگ کر دیجیے گا، فَلَا تُصٰحِبْنِيْ، پھر مجھے اپنے ساتھ بے شک نہ رکھیں۔ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا، میری طرف سے عذر کی انتہا کو پہنچ چکے، معذرتیں میں کر چکا۔ اگر میں تیسری بار بھی آپ سے سوال کروں تو پھر آپ مجھے اپنے آپ سے الگ کر دیجیے گا، مجھے اپنے ساتھ نہیں رکھیے گا۔ چنانچہ پھر چل پڑے۔ فَانْطَلَقَا...... اور آگے روانہ ہوگئے۔ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ اسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا ...... وہاں سے چلے تو ایک گاؤں میں پہنچے۔ انہیں بھوک لگ رہی تھی تو انہوں نے گاؤں والوں سے کھانا طلب کیا۔ فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا...... عجیب گاؤں تھا کہ انہوں نے کھانا دینے سے انکار کر دیا۔ مجھے اس وقت اس گاؤں کا نام یاد نہیں آ رہا انطاکیہ، یا کچھ اس قسم کا تھا۔ تو جب قرآن کریم نازل ہوا اور آیات نازل ہوئیں تو وہ گاؤں والے جو حضور ﷺ کے عہد کے لوگ تھے چل کر حضور ﷺ کی خدمت عالیہ میں پہنچے اور انہوں نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! یہ قرآن کریم میں آ گیا ہے فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا دو مہمانوں کو سارے گاؤں نے کھانا دینے سے انکار کر دیا۔ یہ تو ہمارے باپ دادا کی بدنامی اور بڑی توہین ہے۔ قرآن کریم تو قیامت تک رہے گا، اور قیامت تک لوگ یہی بات کرتے جائیں گے کہ وہ ایسا گاؤں تھا کہ پورے گاؤں میں سے دو مہمانوں کو کھانا نہیں دیا گیا اور انہوں نے انکار کر دیا۔ تو آپ ﷺ اگر کرم فرمائیں تو یہ جو اَبَوْا ہے اس میں ایک نقطہ تو نیچے ہے، اس کو اوپر لگا دیں ایک اور نقطہ اس کے علاوہ لگا دیں تو یہ اَتَوْا بن جائے گا۔ صرف ایک نقطے سے اَتَوْا بن جائے گا، ہماری عزت رہ جائے گی کہ انہوں نے کھانا دیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اس میں کوئی نہ نقطہ بڑھا سکتا ہے، نہ گھٹا سکتا ہے، نہ اس کے معنی تبدیل ہو سکتے ہیں اور نہ کسی کو کرنے کی جرأت ہے۔ یہ جیسا نازل ہوا ہے، انشاء اللہ ویسا ہی قیامت تک پڑھا جائے گا۔ چنانچہ یہ اَبَوْا ہی رہا اور ابھی تک اور آئندہ بھی اَبَوْا ہی پڑھا جاتا رہے گا۔

ادھر گاؤں والوں کا یہ سلوک تھا، اُدھر خضرؑ خدمت خلق میں مصروف تھے فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ...... تو ایک مکان کی دیوار گرنے کے قریب تھی۔ خضرؑ نے کوئی اشارہ کیا، کراماتی طور پر دیوار سیدھی کر دی اور مضبوط ہوگئی۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پھر نہ رہا گیا، انہوں نے کہا ہم بھوک سے مر رہے ہیں اور ایک یہ گاؤں والے ایسے ہیں کہ انہوں نے کھانا دینے سے انکار کر دیا۔ آپ کو اتنا شوق تھا دیواریں مرمت کرنے کا تو اس پر اُجرت ہی لے لیتے، کھانا تو مل جاتا یعنی آپ نے خواہ مخواہ ایک دیوار مرمت کر دی۔ کرامات تو آپ دکھا رہے ہیں لیکن ہم بھوک سے مر رہے ہیں تو اس کی اُجرت ہی لے لیتے قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۝ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا خضر رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی حضرت! اب میرے اور آپؑ کے راستے الگ ہو رہے ہیں۔ آپؑ نے خود فرمایا تھا کہ اگر میں اب کے سوال کروں تو تم مجھے جدا کر دینا تو وہ وقت آ گیا لیکن جو باتیں، جو کام میں نے کیے اور ان کو آپؑ نہ سمجھ سکے، آپؑ برداشت نہ کر سکے، میں ان کی وضاحت آپ کو کر دیتا ہوں کہ ان کے پیچھے کیا حقائق تھے وہ عرض کر دیتا ہوں۔ فرمایا اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ

لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ..... وہ جو کشتی جس میں ہم سوار ہوئے تھے اس کے مالک بڑے غریب لوگ تھے اور وہ ان کا روزگار تھا کہ اسی کشتی کو لے کر دریا میں بندے بٹھا کر پار کراتے۔ کبھی تھوڑے بندے ملتے کبھی بہت، کبھی دن کا کھانا بن جاتا کبھی نہ بنتا۔ ان کے پاس صرف یہی ایک روزگار کا ذریعہ تھا۔ بچے تھے، کسی کو کپڑے چاہئیں، کسی کو غذا چاہیے۔ کسی کو تعلیم چاہیے، کوئی بیمار ہو گیا دوا چاہیے۔ تو بہت ضرورتیں ہوتی ہیں اور اس کشتی سے اتنی آمدن نہیں تھی۔ وہ غریب لوگ تھے اور اسی پر مزدوری کر رہے تھے تو میں نے اس میں اس لیے عیب ڈال دیا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿۷۹﴾ کہ دریا کے دوسرے کنارے پر بادشاہ کے لوگ کھڑے تھے اور بادشاہ کا حکم تھا کہ تمام کشتیاں ضبط کر لو۔ اسے کسی شاہی مہم کے لیے چاہیے ہوں گی۔ جو کشتی کنارے پر پہنچتی تھی وہ چھین لیتے تھے۔ تو مجھے منجانب اللہ حکم ہوا کہ اس میں تھوڑا سا عیب ڈال دوں۔ دنیا عالم اسباب ہے، اللہ کریم اسباب پیدا فرماتے ہیں اور ان کے نتائج ہوتے ہیں۔ تو بادشاہ کے لشکری جب کشتی دیکھیں گے، اس میں لکیر دیکھیں گے تو ان کی کشتی چھوڑ دیں گے کہ کون اس کی مرمت کراتا پھرے، یہ تو ہے ہی ٹوٹی ہوئی۔ تو یہ غریب لوگ ہیں اور ان کا یہ ذریعہ روزگار بچ جائے گا۔

منجانب اللہ بعض اوقات جو چیزیں ہمیں دکھ دینے والی لگتی ہیں وہ ہمارے لیے منافع بخش ہوتی ہیں، ہمیں کسی بڑی مصیبت سے بچا لیتی ہیں جس کو ہم سمجھ نہیں سکتے اور ساری عمر اللہ کریم سے گلہ کرتے رہتے ہیں۔ ہمیں اللہ کی ذات سے ہمیشہ شکایت رہتی ہے کہ میرا یہ ہو گیا، میرا وہ ہو گیا، حالانکہ منجانب اللہ جو ہوتا ہے وہ بہت بہتر ہوتا ہے۔ اب کشتی والوں کو تو نہیں پتا تھا، انہوں نے کشتی میں بال آیا ہوا دیکھا ہو گا تو تڑپے ہوں گے کہ ہماری یہ کشتی کیسے ٹوٹ گئی۔ اور یہ تو بڑے مضبوط تختے تھے، ان میں دراڑ کیسے آ گئی لیکن اللہ کریم نے اس کشتی کو بادشاہ سے بچانے کا اسے سبب بنا دیا۔

وَاَمَّا الْغُلٰمُ دوسرا واقعہ وہ تھا جو بچہ ملا فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ﴿۸۰﴾ اس کی والدہ اور اس کا والد بہت نیک تھے، انہوں نے نیکی پر عمل کیا۔ اور اس لڑکے کے بارے خدشہ یہ تھا کہ یہ سرکشی کرے گا اور اتنی سرکشی کرے گا کہ کہیں والدین کو بھی لے کر کفر میں نہ ڈال دے۔ اللہ کریم کس طرح سے حالات بدلتے ہیں اور اللہ کی ذات سے توبہ کی جائے اور رجوع الی اللہ کیا جائے تو کس طرح کے واقعات ہوتے ہیں وہ خود بہتر جانتا ہے۔ اور وہ بہت کریم ہے، بہت کرم فرماتا ہے۔ اب یہ انہی کی اولاد تھی، اللہ چاہتا تو اسے پیدا ہی نیک کرتا لیکن اس وقت شاید وہ اتنے نیک نہیں ہوں گے۔ جب انہوں نے اللہ کی طرف رجوع کیا، توبہ کی، دین پر عمل مکمل طور شروع کر دیا تو اللہ ہی نے مجھے حکم دیا کہ ان کے بیٹے کو قتل کر دوں۔ انہیں اللہ کریم دوسری اولاد دیں گے جو نیک ہو گی۔ اور یہ بچہ تو ایسا ہے کہ اس سے خطرہ ہے کہ یہ خود ہی کافر نہیں ہو گا بلکہ انہیں بھی کفر میں لے ڈوبے گا۔ کس طرح سے حالات بدلتے ہیں، قدرت کس طرح سے کرم کرتی ہے اور کس طرح سے اپنے ایک ایک بندے کا خیال رکھتی اور اس کی ضرورتیں پوری کرتی ہے یہ ہم نہیں جانتے۔

مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ ان کے بیٹے کے بعد ان کی بیٹی پیدا ہوئی۔ وہ بیٹی نیک تھی پھر اس کی شادی ایک نبیؑ سے ہوئی اور پھر اس کی اولاد سے ستر انبیاءؑ پیدا ہوئے۔ نسلاً بعد نسلاً نبیؑ چلتے رہے۔ تو کہاں وہ لڑکا تھا کہ جس سے خطرہ تھا کہ انہیں بھی کفر میں ڈبو دے گا، کہاں اس کے بدلے اللہ نے ایسی عظیم بیٹی دی جو ایک نبیؑ کی اہلیہ اور زوجہ بنی اور پھر اس کی اولاد سے بھی کئی نسلوں تک نبوت جاری رہی۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ اس کی نسل سے ستر نبیؑ مزید ہوئے تو اللہ کریم کس طرح کرم فرماتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضرؑ نے عرض کر دی کہ دیکھیے، بظاہر، دیکھنے میں کیا ہوتا ہے، اس کے پیچھے کیا ہوتا ہے اور اس کے نتائج کیا ہوتے ہیں۔ تو ہوا یہ کہ جب ان کا وہ بچہ پیدا ہوا تو وہ شاید نیکی کے اس مقام پر نہیں تھے، بچے میں وہ نیکی نہیں آئی لیکن جب انہوں نے رجوع الی اللہ کر لیا، توبہ کر لی تو اللہ کریم نے وہ بچہ واپس لے لیا اور انہیں

نیک بیٹی عطا کر دی۔ تو مجھے حکم ہوا۔ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ﴿۸۰﴾ خطرہ یہ تھا کہ یہ بیٹا اس قدر سرکش ہوگا کہ اُن کا ایمان بھی ضائع نہ کر دے اور انہیں بھی کفر اور سرکشی میں نہ لے ڈوبے۔ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿۸۱﴾ تو اللہ کریم نے، پروردگارِ عالم نے ان کے لیے خیر کا ارادہ فرمایا اور انہیں اس سے بہتر اولاد دے دی جو نیک بھی تھی، بہترین اور ماں باپ سے محبت کرنے والی بھی تھی۔ یہ بھی بڑی عجیب بات ہے کہ ہم پسند تو لڑکوں کو کرتے ہیں اور اللہ نے لڑکی دے کر احسان فرمایا کہ یہ ماں باپ سے بڑی محبت کرنے والی ہے، دیکھا جائے تو بڑھاپے میں جو خدمت بیٹیاں کر سکتی ہیں وہ بیٹے نہیں کر سکتے۔ بیٹا چاہے فرمانبردار بھی ہو تو سارا دن مزدوری کرے گا، ملازمت پہ جائے گا، نوکری کرے گا، ملک میں ہوگا یا ملک سے باہر ہوگا تو وہ غریب زیادہ سے زیادہ، پیسے دے سکے گا اور کیا کرے گا۔ لیکن بچیاں گھروں میں موجود ہوتی ہیں، ماں باپ چھوٹی چھوٹی ضروریات، دوا دارو، کھانا پینا، وقت پر کھانا دینا، وقت پر لباس تبدیل کرانا، سر دبا دینا، پاؤں دبا دینا، بڑھاپے میں زیادہ خدمت بچیاں کرتی ہیں۔ یہ قدرت کا ایک عجیب نظام ہے کہ بچے (لڑکے) اچھے بھی ہوں، صالح بھی ہوں، نیک بھی ہوں تو ان کے پاس فرصت نہیں ہوتی۔ ان کا کام ایسا ہوتا ہے کہ وہ سارا دن مزدوری کریں، باہر ملکوں میں چلے جائیں یا یہیں سے کما کر لائیں۔ تو اللہ کریم نے فرمایا کہ ہم نے ان پر احسان فرمایا کہ وہ بیٹا جس سے خطرہ تھا کہ ان کا ایمان بھی نہ لے ڈوبے وہ واپس لے لیا اور ایک نیک، محبت کرنے والی اور بہت ہی خدمت کرنے والی بیٹی انہیں عطا کر دی۔

تیسری بات تھی دیوار مرمت کرنے کی۔ تو فرمایا وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ...... یہ دو بچے ہیں جن کے گھر ہیں اور وہ یتیم ہیں۔ یتیم کا اطلاق ہوتا ہے بلوغت سے پہلے۔ نابالغ بچوں کے اگر والدین مر جائیں تو انہیں یتیم کہتے ہیں۔ بلوغت کے بعد ہر ایک پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ فرمایا، یہ دو چھوٹے بچے ہیں یہ اُن کا گھر ہے اور وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا...... اور اس دیوار کے نیچے ان کے والد نے ان کے لیے خزانہ رکھ دیا تھا۔ اس کے پاس کچھ دولت تھی، سرمایہ تھا وہ اس نے اس دیوار کے نیچے دبا دیا تھا۔ اب اگر یہ دیوار گرتی تو وہ خزانہ کھل جاتا اور لوگ اسے اٹھا لیتے۔ یہ تو معصوم بچے ہیں، جن وارثوں کے زیرِ سایہ ہیں، وہی اٹھا لیتے یا گاؤں کے کوئی چور اُچکے اٹھا لیتے۔ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَ يَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا...... اور آپ کے پروردگار کو تو یہ بات پسند تھی کہ یہ جب جوان ہوں تو اپنا خزانہ خود نکالیں۔ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ... یہ تمہارے پروردگار کی رحمت اور اس کا کرم ہے۔ یعنی آپ دیکھیں کہ اللہ کریم کی اطاعت اور نیکی کا اللہ کے نزدیک کتنا درجہ ہے کہ وہ بندہ نیک تھا۔ اس کے والدین نیک تھے، انہوں نے حلال اور جائز دولت کمائی اور وہ بچوں کے لیے دیوار کے نیچے دفن کی۔ بچے اب چھوٹے رہ گئے اور والدین دونوں فوت ہو گئے۔ جو لوگ اللہ کی اطاعت کرتے ہیں یا اہل اللہ جنہیں ہم ولی اللہ کہتے ہیں، اللہ ان کے مرنے کے بعد اُن کی اولادوں کو بھی دنیوی مفادات پہنچاتا رہتا ہے اور اگر نیک ہوں تو وہ اُخروی مفادات دوسروں کی نسبت زیادہ حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن جیسے بھی ہوں، نیک والدین کا اور بزرگوں کا فیضان جاری رہتا ہے اور پیچھے اولاد کو بھی پہنچتا ہے۔ تو فرمایا، یہ دو یتیم بچوں کی دیوار تھی اور اس کے نیچے خزانہ چھپا ہوا تھا اور ان کا باپ بہت نیک تھا۔ وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ... ان کا باپ ولی اللہ تھا، بہت نیک تھا، اللہ کریم کا بندہ تھا، اللہ کا قرب اسے حاصل تھا۔ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَ يَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ...... تو اللہ کریم کو یہ بات پسند تھی کہ وہ بچے خود جوان ہوں، اس قابل ہوں کہ مکان اُدھیڑیں، دیواریں گرائیں کہ نیا بنائیں گے تو نیچے سے خزانہ نکل آئے۔ وہ خود اسے نکالیں، اُن کے اپنے کام آئے۔ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ یہ آپ کے پروردگار کی رحمت کے مختلف مظاہر، مختلف پہلو، مختلف انداز ہیں۔ یہ اس کا بہت بڑا کرم تھا، بہت بڑی رحمت تھی۔ وَ مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ...... اور اللہ کے نبیؑ میں یہ بھی عرض

کردوں کہ یہ کام میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیے۔ یہ میرا کام نہیں ہے کہ میں فیصلہ کروں کہ یہ بندہ نیک ہے یا بد ہے، یا یہ کشتی سلامت رہے یا پھٹ جائے، یا یہ دیوار گرے نہ گرے، میں بنادوں۔ یہ میرا کام نہیں ہے، نہ میں جانتا ہوں۔ یہ سب میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا، اللہ نے حکم دیا کہ یہ کردو اور کرنے کی مجھے توفیق دی تو میں نے وہ کر دیا۔ لیکن اللہ کریم کے نزدیک، ان کے پیچھے اور ان کے پس پردہ کیا حقائق تھے تو وہ میں نے آپ سے عرض کر دیے۔ یہ تینوں باتیں بظاہر بڑی عجیب لگیں کہ ان کا نقصان ہوا، لیکن وہ تینوں باتیں ان کے فائدے کی اور ان کی بہتری کی تھیں، اب یہ اللہ کریم کا کرم تھا۔ اس کی رحمت ہے کہ ہم اپنے لیے مصیبتیں تلاش کرتے ہیں (ہر گناہ ایک مصیبت کا سبب ہوتا ہے) اور دن بھر خطائیں کرتے ہیں، اللہ کریم فرماتا ہے کہ یہ میرا کرم ہے کہ میں تمہیں بچائے رکھتا ہوں ورنہ ہر کام کا نتیجہ اگر سامنے آتا تم کب کے تباہ ہو چکے ہوتے، مر مٹ چکے ہوتے، تم پر عذاب آ چکے ہوتے۔ پھر اس کے ساتھ جو اس کے بندے ہوتے ہیں جو اس کی پناہ میں رہتے ہیں۔ جو اس کو یاد رکھتے ہیں، جو اس کا ذکر کرتے ہیں، جو اس کو دل میں بساتے ہیں اور جو اللہ کے قرب کی کیفیات حاصل کرتے ہیں، زندگی میں بھی ان کو سر بلند رکھتا ہے اور مرنے کے بعد ان کی اولادوں کو بھی ان کی برکات پہنچتی ہیں اور ان کے دنیوی فائدے بھی ہوتے ہیں اور اُخروی فائدے بھی ہوتے ہیں۔ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي...... سب کچھ میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا۔ ذَٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِع عَّلَيْهِ صَبْرًا یہ ان باتوں کی حقیقت ہے جن پر آپ صبر نہ کر سکے اور مجھ پر گرفت فرماتے رہے۔

اس سارے قصے سے اللہ کریم کی عظمت اس کی رحمت اور بے پناہ کرم کا سبق ملتا ہے کہ ہم غلطیاں بھی کرتے ہیں تو وہ کس طرح سے ہمارا تحفظ فرماتا ہے کس طرح سے ہماری حفاظت فرماتا ہے اور کس طرح سے ہمارے لئے دنیوی اسباب بھی پیدا فرماتا ہے۔ انسان کا مزاج بھی عجیب ہے یہ اگر ساٹھ برس صحت استعمال کرتا ہے اور چھ گھنٹے کے لئے بیمار ہو جائے تو وہ ساٹھ برس بھلا دیتا ہے چھ گھنٹے اُسے یاد ہوتے ہیں کہ مجھے چھ گھنٹے سے سر میں درد ہے۔ ساری زندگی آرام سے کھاتا رہے، کبھی غریبی آجائے تو وہ اسے یاد ہوتی ہے اور وہ ساری زندگی جو اللہ کی نعمتیں کھائیں انہیں بھول جاتا ہے، حالانکہ یہ جو مصیبتیں آتی ہیں، یہ ہم خود خریدتے ہیں۔ اور وہ ایسا کریم ہے کہ پھر حالات کو بدل کر ہمارے لئے آسانیاں پیدا فرماتا ہے اور ایسا کریم ہمارا خالق، ہمارا مالک، ہمارا رازق، ہمارا رب، ہمارا پروردگار! ہم اس کا کیوں شکر ادا نہیں کرتے؟ کیوں ہر لمحہ اسے یاد نہیں کرتے؟ ہم کیوں ہمیشہ اس کی اطاعت میں زندگی بسر نہیں کرتے؟ اس پہ ہمیں سوچنا چاہئے اور ہمیں طے کرنا چاہئے کہ اللہ نے زندگی مجھے دی ہے۔ اس کے فیصلے میں نے کرنے ہیں۔ تو پھر میں ایسا کروں جو میرے پروردگار کی پسند کے مطابق ہو۔ میں اُس کی اطاعت کروں۔ اور اس فرصت کے لمحات کو اس کی یاد میں بسر کروں اور اس کے نبی ﷺ کی سنت پر بسر کروں کہ میرے دونوں عالم اللہ کے کرم سے روشن ہوتے جائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O

بقیہ صفحہ نمبر 31 سے آگے

یہ اللہ کا کرم ہے کہ اب یہ آ گیا بیماری سے صحت کی دعا کرانے کے لیے اب حضرت کیا کریں گے۔ تو انہوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور عرض کی بار الٰہا بیماری بھی تیری رحمت ہے لیکن تیرا یہ بندہ کمزور ہے اسے برداشت نہیں کر پا رہا تو اسے اپنی صحت کی رحمت سے بدل دے وہ بھی تیری رحمت ہے یہ بے چارہ کمزور ہے آزمائش میں پورا نہیں اتر رہا گھبرا رہا ہے تو تُو اسے صحت کی رحمت میں بدل دے تو بات گھوم پھر کر وہی آتی ہے کہ طلب کا انداز صحیح ہو سنت کے مطابق ہو دل بھی طلب میں ساتھ ہو اور جو طلب کیا جا رہا ہو وہ حدود شرعی کے اندر ہو پھر دعا عبادت بن جاتی ہے۔ اور اگر اس تکلیف کی وجہ سے اللہ کریم کے قریب ہو گیا اور اللہ اللہ کرنے لگ گیا تو یہ اس کی عطا ہے۔ حضرت مہاجر مکیؒ اس پر وعظ فرما رہے تھے مجلس میں بات ہو رہی تھی کہ ایک بندہ نو وارد آ گیا گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ کہنے لگا حضرت مجھے فلاں بیماری ہے میں بیمار ہوں، میرے لیے دعا فرما دیجیے گا کہ اس بیماری سے نجات ہو۔ اب جو مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، علما تھے۔ بڑے حیران ہوئے کہ اب حضرتؒ کیا کریں گے۔ حضرت تو بیماری کی فضیلتیں بیان کر رہے تھے کہ اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

19 جون 2012

شیخ المکرم کی مجلس میں سوال اور اُن کے جواب

سوال: دلائل السلوک میں توجہ کے ثبوت میں یہ مثال دی گئی ہے کہ حضرت جبرائیلؑ نے آنحضرت ﷺ کو بھینچا۔ از راہِ کرم بھینچنے اور توجہ کی حقیقت ارشاد فرمائیے۔

جواب: حضور اکرم ﷺ کی خصوصیات ہیں جو ہر ایک کو نصیب نہیں ہوئیں لیکن اس کے اثرات سے دلیل اخذ کی جاتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کو جبرئیل امین نے بھینچا تو انہوں نے اللہ کے حکم سے ایسا کیا۔ آپ ﷺ کا منصب جلیلہ ایسا تھا یہ آپ ﷺ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ ہاں! اس سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ نو وارد کو تین دفعہ توجہ دی جائے۔ تین بار لطائف کرائے جائیں۔ یہ زیادہ مؤثر ہے۔

اور توجہ یہ ہوتی ہے کہ شیخ کے قلب سے جو انوارات آ رہے ہیں وہ متوجہ الی اللہ ہو کر، قبلہ رو ہو کر مرید کو اپنے بائیں طرف بٹھا کر اس پر القاء کرے۔ اور مرید متوجہ الی اللہ ہو کر اپنے قلب کو بیدار رکھے اور اس چیز کو قبول کرنے کی اور جذب کرنے کی کوشش کرے۔ توجہ کے لیے رابطہ قلبی شرط ٹھہرا کہ مرید کو بھی رغبت ہو اور شیخ کو بھی توجہ دینے میں رضائے الٰہی مقصود ہو اور وہ پورے خلوص سے توجہ دے۔ توجہ کی مثال بارش کی سی ہوتی ہے۔ وہ جب برستی ہے تو چھوٹا بڑا نہیں دیکھتی، یکساں برستی ہے۔ نتائج زمین کے مطابق پیدا ہوتے ہیں۔ اچھی زمین ہوتی ہے تو اچھے نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ بعض زمینیں اس قدر خراب ہوتی ہیں کہ ان میں اور بگاڑ آ جاتا ہے۔ تو یہ اس پر منحصر ہے کہ زمین کیسی ہے۔ طالب کے قلب میں کتنا خلوص ہے اور وہ کتنا متوجہ الی اللہ ہے۔ اور وہ کتنا رضائے الٰہی کے لیے ذکر کر رہا ہے۔ بڑی محنت کرے، بندہ بڑی عبادت کرے لیکن خیال یہ ہو کہ اس طرح میں صاحب کمال بن جاؤں گا تو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اس طرح دنیوی وجاہت کا خیال ہو یا دنیوی مفاد کا خیال ہو تو فائدہ نہیں ہوگا۔ طالب کو فائدہ حاصل کرنے کے لیے خلوص چاہیے۔ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کتنے ایسے لوگ حلقہ ذکر میں آتے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ ان کے مراقبات ہوں لیکن نہیں ہوتے اور کتنے ایسے لوگ آتے ہیں جن کو میں جانتا بھی نہیں لیکن ان کے مراقبات فوراً ہو جاتے ہیں۔ اس کا انحصار طالب کی قبولیت کی استعداد پر ہے۔ شیخ جب توجہ دیتا ہے تو وہ یہ خیال نہیں کرتا کہ کون کون اس میں شامل ہے اور کون کس درجہ کا ہے یہ اس کا کام نہیں ہے۔ اس کا کام ہے کہ اپنے قلب کے انوارات کو ان کے قلب پر، اپنے لطائف کے انوارات کو ان کے لطائف پر القاء کرے۔ آگے قبولیت کی استعداد اللہ پاک نے دینی ہے اور وہ دلوں کے حال سے واقف ہے۔ ارشاد فرماتا ہے وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَن يُنِيبُ (شوریٰ:13) جس دل میں جتنی انابت الی اللہ ہوگی اتنا وہ قبول کر سکے گا۔

سوال: حضرت مجدد الف ثانی آٹھویں صدی ہجری کے مجدد تھے جبکہ عبدالرشید گنگوہیؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ چودھویں صدی ہجری کے مجدد تھے تصوف کی اصطلاح میں مجدد کسے کہتے ہیں اور اس کا کیا منصب ہوتا ہے؟ پندرھویں صدی کا مجددِ تصوف کون ہے اور کیا وہ سلسلہ عالیہ سے مستفیض ہے؟ از راہِ کرم اس پہ ارشاد فرمائیں؟

جواب: نبی کریم ﷺ کا ایک ارشادِ عالی ہے کہ ہر صدی میں ایک مجدد ہوتا ہے۔ حضرتؒ سے اس کی تفصیل جو ہم نے سنی وہ یہ تھی کہ مجدد کبھی ایک فرد نہیں ہوتا مجدد ایک جماعت ہوتی ہے جس سے اللہ کریم تجدید دین اور احیائے سنت کا کام لیتا ہے۔ اگر حضرت احمد سرہندیؒ مجدد

تھے تو ان کے ساتھ بھی ایک بہت بڑی جماعت تھی۔

صوفیا، کی جماعت، اہل اللہ کی جماعت، علما کی جماعت اور اپنے عہد میں انہوں نے ایک عالمگیر مثبت تبدیلی کا آغاز فرمایا اور بڑی حد تک لوگوں کو ہدایت نصیب ہوئی۔ اب کوئی مولانا تھانویؒ کو مجدد کہتا ہے تو ان کے ساتھ بھی ایک بہت بڑی جماعت تھی اور زندگی کے ہر شعبے کے لوگ اس میں تھے۔ صرف اہل علم ہی نہیں علمائے دین ہی نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے کے لوگ مجدد وقت کے ساتھ ہوتے ہیں جن کی وجہ سے زندگی کے ہر شعبے میں تبدیلی آتی ہے، لوگ خلوص اختیار کرتے ہیں، دین کی طرف بڑھتے ہیں، نیکی اختیار کرتے ہیں تو وہ جماعت مل کر تجدید دین کا کام کرتی ہے۔ اور ظاہر ہے ہر جماعت کا ایک سربراہ، شیخ یا مرشد یا مربّی یا رہنما ہوتا ہے نام تو اس کا ہوتا ہے لیکن کام جماعت کا ہوتا ہے۔ یہ مجدد تھے یا نہیں اس کا فیصلہ کرنا ہمارا کام نہیں ہے۔ عقیدت سے کسی بڑے عالم نے انہیں مجدد لکھ دیا تو سب نے تسلیم کر لیا لیکن اس کا تعلق حقیقت سے نہیں ہے۔ ہمارے لیے یہ جاننا ضروری بھی نہیں ہے کہ کون مجدد ہے۔ یہ جو مناصب تصوف ہوتے ہیں یہ من جانب اللہ عطا ہوتے ہیں۔ مثلاً کوئی ابدال ہے، کوئی قطب ہے، کوئی غوث ہے۔ اگرچہ یہ بہت عظیم لوگ ہوتے ہیں اور ان کے وجود کے ساتھ امورِ دنیا وابستہ ہوتے ہیں لیکن ضروری نہیں کہ خود مجدد کو علم ہو کہ وہ مجدد ہے۔ ضروری نہیں کہ خود قطب کو علم ہو کہ وہ قطب ہے۔ ضروری نہیں غوث کو علم ہو کہ وہ غوث ہے ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا۔ ان سے جو فیوضات پہنچتے ہیں وہ بالکل اس طرح ہیں کہ جیسے سورج سے روئے زمین پر تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں لیکن یہ ضروری تو نہیں کہ سورج کو علم بھی ہو۔ سورج کو کوئی پتہ نہیں کہ کیا کیا ہو رہا ہے۔ چاند سے کتنی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں لیکن چاند کو تو کوئی علم نہیں کہ زمین پر کیا ہو رہا ہے۔ اس کا اپنا کام ہے کہ کسی وجود میں وہ برکات رکھ دیتا ہے۔ ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ کس وجود سے کتنی نیکی پھیلی اور جب ہمیں مثبت نتائج نظر آتے ہیں تو اہلِ علم عقیدت میں کسی کے ساتھ مجدد لگا دیتے ہیں۔

اب تو وہ اہل علم والی بات بھی نہیں رہی، اب تو بڑا عہدہ پہلے لکھ دیا جاتا ہے اور اس سے چھوٹا منصب بعد میں لکھ دیا جاتا ہے۔ اور کسی کے نام کے ساتھ آپ پڑھیں گے کہ غوثِ زمانہ، قطب الاقطاب، قطب مدار۔ اوپر سے نیچے کو لکھنے لگ جاتے ہیں۔ یعنی آج کے جاننے یا نام رکھنے والوں میں تو یہ تمیز بھی نہیں کہ یہ چیزیں نیچے سے اوپر کو جاتی ہیں، اوپر سے عہدے نیچے کو نہیں جاتے۔ یہ ضروری نہیں کہ جو ہم کہیں وہی ٹھیک ہو۔ ہماری عقیدت، ہمارا ادب، ہمارا احترام، ہر عالم دین اور ہر حق پرست بندے کے ساتھ ویسا ہی ہے جیسا طریقہ قرآن کریم نے بتایا ہے کہ سب اچھے ہیں اور بعض اچھوں میں اور بھی اچھے ہیں۔ ارشادِ باری ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ بعض کو بعض پر فضیلت ہے لیکن یہ نہیں فرمایا کہ بعض بعض سے کم ہیں۔ قرآن کریم نے جو طریقہ بتایا ہے وہ یہ نہیں بتایا کہ بعض بعض سے کم ہیں۔ فرمایا، بعض، بعض سے فضیلت میں بڑھ گئے۔ سب اچھے ہیں، بعض اچھوں میں اور بھی اچھے ہیں۔ فارسی کا محاورہ ہے کہ "ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است" ہر پھول کا رنگ اپنا ہوتا ہے، خوشبو اپنی ہوتی ہے، اس کے اثرات اپنے ہوتے ہیں۔ پھول سارے ہی پھول ہوتے ہیں اسی طرح سب اہل اللہ کے ساتھ عقیدت ہونی چاہیے۔ احترام سب کا کیا جانا چاہیے۔ کسی ایک سے آپ کو خاص عقیدت ہے تو یہ آپ کا حق ہے۔ آپ کو اس سے استفادہ ہو رہا ہے یا آپ اس سے برکات لے رہے ہیں تو بہت اچھی بات ہے۔ لیکن احترام سب کا واجب ہے۔ اور یہ جاننا جب خود صاحب منصب کے لیے ضروری نہیں ہے کہ اس کے پاس منصب ہے۔ تو میرے بھائی میرے اور آپ کے لیے کہاں اس کی ضرورت آن پڑی کہ ہم یہ تعین کریں کہ فلاں کا یہ منصب ہے۔ اور فلاں کا وہ منصب ہے یہ میدان حشر میں پتہ چلے گا، جب چیزیں کھولی جائیں گی اور سامنے آئیں گی تو پتہ چلے گا۔ یہ دعا کیا کریں کہ اللہ ایسے لوگوں کے ساتھ رکھے۔

سوال: ٹیلی وژن ٹاک شو میں ایسی میزبان خواتین آتی ہیں جو کہتی

ہیں کہ وہ ان لوگوں کی ارواح سے بات کرواسکتی ہیں جو دنیا سے گزر چکے، جب کہ ہم نے پڑھا ہے کہ روح مقام علیین یا سجین میں ہوتی ہے تو یہ موصوفہ کس طرح بات کراتی ہیں اور لوگوں کا ایمان ضائع کرتی ہیں؟

جواب: یہ بڑا عام سوال تھا اور اس کا بہت عرصہ پہلے میں نے بڑا مفصل جواب دیا تھا۔ المرشد میں چھپا تھا۔ میرا خیال ہے کہ المرشد کی وہ جلدیں اب بھی دستیاب ہیں کیونکہ ہر سال کے بارہ رسالوں کی ایک جلد بنادی جاتی ہے اس میں ساری دینی باتیں ہوتی ہیں اور دین تو پرانا نہیں ہوتا نہ دینی باتیں پرانی ہوتی ہیں۔ ہر عہد میں ہر وقت میں اس کی ضرورت ہوتی ہے۔

میں نے شاید کل یا پرسوں عرض کیا تھا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد عالی ہے کہ ہر پیدا ہونے والے کے ساتھ ایک شیطان پیدا ہوتا ہے جو صرف اس کے ساتھ رہتا ہے ورنہ تو شیاطین عام ہیں۔ حیات الحیوان میں بھی ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جتنے انسان روئے زمین پر ہیں جنات کی تعداد ان سے نوگنا زیادہ ہے۔ اور جتنی تعداد انسانوں اور جنات کی ہے شیاطین یا اکیلے شیطان کی اولاد کی تعداد اس سے نوگنا زیادہ ہے۔ تو اب پندرہویں صدی ہے، انسانی آبادی اس زمانے سے لے کر آج تک کتنی بڑھی۔ اگر اس نسبت سے دیکھا جائے تو شیاطین اور جنات کی کتنی آبادی بڑھی ہوگی۔ میں عموماً عشاء کے ذکر کے بعد ڈاک دیکھ کر جواب دے دیتا ہوں۔ اس دن اسلام آباد سے کسی ساتھی نے ای میل کی کہ مجھے عجیب وغریب ڈراؤنی شکلیں نظر آتی ہیں جن کے دوفٹ سے لے کر آٹھ دس فٹ تک قد ہیں، مختلف حلیے ہیں اور وہ دھواں دھواں نظر آتی ہیں، جسم نظر نہیں آتا۔ smokey کے الفاظ تھے انگریزی میں۔ وجود نظر نہیں آتا دھواں نظر آتا ہے۔ اور ہر آدمی کے ساتھ کئی کئی لگے ہوئے ہیں جدھر دیکھو بندہ ایک ہے اور وہ کئی کئی ہیں۔ تو ایک بھیڑ نظر آتی ہے، جہاں بندوں کا رش ہے وہاں وہ کئی گناہ زیادہ ہیں تو میں کیا کروں۔ میں نے کہا یار! یہ مشاہدات کروانے میں تو محنت لگتی ہے، روکنے میں صرف ہاں ناں کی ہی ضرورت ہوتی ہے تو اللہ کرے گا تمھیں آئندہ نظر نہیں آئیں گے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ شکلیں وہاں سے اٹھ جائیں گی کیونکہ یہ شیاطین ہیں جو تم نے دیکھے۔ ان کی آبادی زیادہ ہے۔ لوگ چونکہ اللہ سے غافل ہیں، دلوں میں نور نہیں ہے تو ایک ایک پر دس سوار ہیں اور وہی کردار عملی زندگی میں سامنے آرہا ہے۔ تو یہ وہ شیطان ہیں جو شیطان کی اولاد یا شیطان کے پیروکار کیونکہ شیطان کے پیروکار ہیں شیاطین بھی ہیں اور انسان بھی شیاطین الانس و الجن جنوں میں بھی کچھ فنا فی الشیطان ہو جاتے ہیں اور انسانوں میں بھی کچھ فنا فی الشیطان ہوجاتے ہیں۔ انہیں بھی شیطان ہی کہا جاتا ہے۔ میں نے کہا یہ تو تم نے وہ دیکھے جو جنوں میں سے یا شیطانوں میں سے تھے اس کی اولاد، انسانوں میں کتنے شیطان ہیں وہ تو تمھیں نظر ہی نہیں آئے۔ بہر حال تمھیں گھبرانے کی ضرورت نہیں، تم اپنی اللہ اللہ کرو اور اپنے آپ کو بچاؤ۔ یہ تو عام شیاطین ہیں، جو ایک خاص شیطان کسی بندے کے ساتھ پیدا ہوتا ہے وہ زندگی بھر اس کے ساتھ رہتا ہے۔ بندے کی عمر تو گنتی کی ہوتی ہے، ان کی عمر ہزاروں سال ہوتی ہے۔ جب وہ بندہ مرجائے تو جہاں اس کا خمیر ہوتا ہے وہیں رہتے ہیں۔ جس طرح روح کا تعلق اس مٹی کے ساتھ یا وجود کے ساتھ رہتا ہے، وہ شیطان بھی اس مٹی پر، اس قبر پر اس جگہ، باقی عمر گزار دیتا ہے اس کی ذمہ داری صرف اس بندے کے ساتھ ہوتی ہے۔ یہ جو روحوں سے کلام کراتے ہیں جو عام ہے، اس میں ایک شخص مرد یا عورت medium, بنا ہوتا ہے تو وہ روحوں سے کلام کراتی ہے اور وہ روح اس میں داخل ہو جاتی ہے اور وہ لہجہ بھی اس بندے کا بن جاتا ہے اور وہ باتیں بھی جو اس بندے کے سوا کوئی نہیں جانتا وہ بتاتی ہے۔

حق یہ ہے کہ مرنے کے بعد روح دو میں سے ایک حال میں ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے القبر روضہ من ریاض الجنة اوحفرة من حفر النار (مشکوٰۃ ص 458) او کما قال رسول ﷺ کہ قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ اس کا مطلب ہے

کہ مرنے والا دو میں سے ایک حال میں ضرور ہے اگر ناجی ہے تو جنت کے باغ میں ہے اگر عذاب میں ہے تو پھر جہنم کے گڑھے میں ہے۔اب آپ سوچیں کہ اگر روح جنت کے باغ میں ہے،تو اسے دنیا کے عامل،عملیات سے واپس بلا سکیں تو وہ جنت میں پھر کیا رہا پھر تو وہ عاملوں کا قیدی ہو گیا جنتی کہاں رہا،تو جنتیوں کو تو یہ بلانے سے رہے۔ایسا کوئی نہیں ہے کہ جنت سے کسی روح کو کھینچ کر یہاں لے آئے،کوئی عامل ایسا نہیں ہے۔رہی دوسری بات کہ جو بندہ عذاب میں ہے،ایسا کون ہے جو اسے عذاب سے نکال کے دنیا میں لے آئے۔یہ دونوں باتیں ناممکن ہیں۔یہ جو عامل ہیں ان کا رابطہ شیطانوں سے ہوتا ہے اور اس شیطان سے یہ رابطہ کر سکتے ہیں جو ابھی مرا نہیں،زندہ ہے۔اس کی قبر پر بیٹھا ہے وہ اس بندے کے لب ولہجہ سے بھی واقف ہوتا ہے۔لباس اور طرز حیات سے بھی اور اس کی زندگی کے واقعات سے بھی۔تو ان میں اتنی حقیقت ضرور ہے کہ یہ شیطان سے رابطہ کر لیتے ہیں۔مغرب میں بڑی محنت کر کے یہ کرتے ہیں،ہمارے تو جھرجھری کرتے رہتے ہیں ان کے پاس تو کچھ ہے کہ نہیں لیکن وہ رابطہ شیطان سے ہوتا ہے روح سے نہیں۔

سوال:کیا اجتماعی دعاؤں کے ساتھ اپنی انفرادی دعا بھی کی جا سکتی ہے؟

جواب:کوئی منع نہیں۔دعا کرنے کے لیے تو کوئی پابندی نہیں ہے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن:60) مجھ سے مانگو میں تمھاری دعائیں قبول فرماتا ہوں۔اجتماعی دعا بھی کریں،اپنے ذاتی مسائل کے لئے بھی ضرور مانگیں،چونکہ وہی ایک ذات کریم ہے جس سے مانگنا بھی عبادت ہے۔بلکہ حضور ﷺ نے فرمایا الدعاء مخ العبادۃ او کما قال رسول اللہ ﷺ عبادت دعا کا مغز ہے ،حاصل ہے،نچوڑ ہے۔ضرور دعا کریں۔اجتماعیت میں ایک فرق ہوتا ہے۔جیسے نماز باجماعت کی فضیلت آئی ہے،کتنے گنا زیادہ ثواب ہے حالانکہ اکیلا بندہ بھی نماز وہی ادا کرتا ہے۔تو میری دانست میں اس میں ایک وضاحت جو اللہ کریم نے دی ہے وہ یہ دی ہے کہ اگر دس بیس ،پچاس سو بندہ دعا کر رہا ہے یا نماز ادا کر رہا ہے تو ہر بندے کا اللہ سے ایک ذاتی تعلق ہوتا ہے جسے صرف اللہ جانتا ہے۔انبیاؑ کو اگر وہ آگاہ فرما دے تو اس کی مرضی اور آگاہ نہ کرے تو نبیؑ کو بھی اس کی ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ یہ تلاش کرے کہ اس بندے کا اللہ سے کیسا تعلق ہے۔وہ بندے اور اللہ کے درمیان ہوتا ہے۔کچھ لوگوں کے بارے حضور ﷺ کو اطلاع دی گئی اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (البقرہ:6) کہ ان کے میرے ساتھ تعلقات اتنے بگڑ چکے ہیں کہ آپ ﷺ انہیں ڈرائیں،تبلیغ کریں یا نہ کریں برابر ہے یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔اب یہ ہر فرد کا اللہ کے ساتھ ذاتی معاملہ تھا۔یہ عظمتِ پیغمبر ہے کہ حضور ﷺ کو بعض لوگوں کے بارے اللہ نے بتا دیا کہ ان پر محنت نہ کریں یہ دانے جل چکے ہیں،پھوٹ نہیں سکتے۔ان سے کوئی پیداوار حاصل نہ ہوگی۔اللہ کی مرضی جو بتا دیں۔لیکن یہ اس آیہ کریمہ سے بھی ثابت ہے کہ ہر فرد کا ایک ذاتی تعلق اللہ سے ہے۔وہ جب اللہ کے حضور دست بستہ کھڑا ہوتا ہے یا دعا کر رہا ہوتا ہے تو جیسا اس کا تعلق ہے اس طرح کے انوارات اس پر وارد ہوں گے،اس طرح کی کیفیات وارد ہوتی ہیں۔اگر دو افراد ہوں تو ظاہر ہے دونوں کا الگ الگ تعلق ہے تو دو طرح کے انوارات یا کیفیات بالذات ہوں گی۔دس ہیں تو دس قسم کی ہونگی۔سو،ہزار ہیں تو ہزار قسم کی،تو رنگوں کا ایک گلدستۂ نور بن جاتا ہے اور ایک دوسرے کی برکات سے سارے مستفید ہوتے ہیں۔اجتماعیت میں یہ فرق ہے۔اکیلا ہوگا تو اس کی اپنی ذاتی کیفیات ہوں گی۔اسی طرح نماز باجماعت میں اور بھی بے شمار فضیلتیں ہوں گی لیکن ایک سبب یہ بھی ہے کہ جب پچاس،سو،دو سو بندہ اکٹھا رکوع و سجود کرتا ہے،قیام کرتا ہے تو اس پر سو دو سو جتنے بندے ہیں اتنے طرح کے انوارات،اتنی طرح کی برکات نازل ہوتی ہیں۔اور یہ بارش کی طرح نازل ہوتے ہیں۔یہ انوارات ایک دوسرے پر بھی پڑتے ہیں۔من جانب اللہ ان برکات کا فائدہ پورے مجمع کو ہوتا ہے۔تو اجتماعی دعا میں اجتماعی عبادت میں اجتماعی ذکر میں یہ فائدہ ہوتا ہے۔لیکن یہ کوئی پابندی نہیں ہے،ایک

بندے کو کوئی بیماری ہے اب اجتماعی دعا ہو رہی ہے تو اس میں بھی وہ عرض کر دے کہ بارالٰہا میری بیماری سے بھی نجات عطا فرما دے تو یہ کوئی جرم نہیں ہے۔ کسی کو کوئی تکلیف ہے تو درخواست کرے۔ وہ بارگاہ بہت عالی ہے، ہم تصور نہیں کر سکتے۔ وہ اتنی بڑی بارگاہ ہے۔ بہرحال ہر چیز ہر وقت ہر ایک کے لیے مانگنا اسی بارگاہ میں زیب دیتا ہے اور وہی بارگاہ ہے جہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں، سنی جاتی ہیں۔ چھوٹی سی ایک شرط لگا دی ہے کہ جب تم دعا کرتے ہو تو میں سنتا ہوں لیکن تم بھی میری سنو، فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي (البقرہ:186) تم یہ چاہتے ہو کہ جو درخواست تم پیش کر رہے ہو وہ قبول ہو جائے تو جو حکم تمہیں میں دیتا ہوں تم بھی تو مانو تم بھی تو قبول کرو۔ تم عاجز، مخلوق، محتاج ہو کر میرا حکم نہیں مانو گے تو میں بے نیاز ہو کر تمہاری درخواستوں کی پروا کیوں کروں گا۔ تمہیں میری ضرورت ہے مجھے تمہاری ضرورت نہیں۔ تم میرے محتاج ہو، میں تمہارا محتاج نہیں۔ تو دعا کی قبولیت کے لیے اللہ اور اللہ کے حبیب ﷺ کی اطاعت شرط ہے۔

ویسے تو وہ بے نیاز ہے۔ ابلیس نے کہا مجھے مہلت دے دے اس نے دے دی۔ اب ابلیس سے برا کون ہوگا اور مہلت بھی اس نے برائی کے لیے مانگی کہ مجھے مہلت عطا کی جائے تو ان لوگوں کو، آدم کی اولاد کو جس کی وجہ سے تو نے مجھے راندۂ درگاہ کر دیا ہے ان سے میں خود کو سجدے کرواؤں گا، یہ آپ کو سجدے نہیں کریں گے۔ فرمایا تمہیں مہلت دی۔ اس نے مہلت مانگی تھی قیامت تک کے لیے۔ اس کی دعا میں تو یہ تھا کہ شاید مجھ پر موت آئے ہی نہیں، میں نکل جاؤں۔ فرمایا، نہیں إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ (الحجر:38) مقررہ وقت کے لیے مہلت ہے۔ مرنا تجھے بھی ہوگا اسی دروازے سے تو بھی میدان حشر میں آئے گا۔ تو مہلت دے دی۔

اب کوئی قبولیت دعا کی شرط تو نہیں ہے لیکن فرمایا اپنی دعا مجھ سے قبول کروانا چاہتے ہو تو یہ دیکھ لو کہ تم میری بات کس حد تک مان رہے ہو۔ تو قبولیت دعا میں اپنے آپ کو، اپنے حالات کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ یا اللہ! جو کوتاہیاں ہوئی ہیں، معاف فرما اور توفیق عطا فرما کہ آئندہ میں تیری اور تیرے حبیب ﷺ کی اطاعت کروں، فرمانبرداری کروں۔ تو یہ سلیقہ ہے دعا کرنے کا۔ دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ناجائز امور کے لیے دعا کرنا شیطنت ہے جیسے شیطان نے برائی کے لیے مہلت مانگی۔ دعا کے لیے یہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ جس کام کے لیے آپ دعا کر رہے ہیں وہ اللہ کے حکم کے خلاف نہ ہو ورنہ اس دعا کا اثر شیطنت کی طرف لے جائے گا۔ بندے کو یہ بھی دیکھنا چاہیے۔ جیسے لوگ ناجائز مقاصد کے لیے دعائیں کرتے ہیں دوسروں کی جائیداد چھیننے کے لیے وظیفے کرتے ہیں تو یہ شیطنت ہے۔ کسی کا حق مارنے کے لیے دعائیں کرنا شروع کر دیتے ہیں، ختم پڑھانا شروع کر دیتے ہیں، تعویز لینا شروع کر دیتے ہیں۔ دعا کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ حدودِ شرعی کے اندر ہو، آپ کا حق ہو۔ حضرت مہاجر مکیؒ مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے اور بات ہو رہی تھی کہ بیماری بھی اللہ کی رحمت ہے اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مومن پر جب بیماری آتی ہے وہ بیمار ہوتا ہے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جیسے پت جھڑ میں درختوں کے پتے جھڑتے ہیں۔ تو یہ بھی اللہ کی رحمت ہے اس پر صبر کرنا چاہیے، حوصلہ کرنا چاہیے اللہ سے عافیت طلب کرنی چاہیے وہ بغیر بیماری کے بھی معاف فرما سکتا ہے لیکن بہرحال بیماری بھی اس کا ایک اندازِ رحمت ہے اور کافر کے لیے از قسم عقوبات ہے۔ لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں ایک بندے پر مصیبت آتی ہے تو اس کی ترقیِ درجات کا سبب بنتی ہے اور اس کے مناصب اور بڑھ جاتے ہیں ایک بندے پر مصیبت آتی ہے تو اس کی تلافیِ مافات کا سبب بن جاتی ہے درجات نہیں بڑھتے لیکن جو کوتاہیاں وہ کر چکا ہوتا ہے ان کا کفارہ ہو جاتا ہے اور تیسرے کے لیے وہ از قسم عقوبات یعنی سزا ہوتی ہے۔ بزرگوں سے کسی نے پوچھا کہ بندہ کیسے اندازہ کرے کہ یہ جو بیماری یا تکلیف اس پر آئی ہے تو یہ از قسم عنایت تھی یا سزا تھی تو انہوں نے فرمایا اگر بیماری یا دکھ تجھے اللہ کے قریب لے جائے تو از قسم عطا ہے اور اگر اللہ سے دور کر دے تو سزا ہے۔

ہر بندہ اپنا حال جان سکتا ہے کہ اس تکلیف میں مبتلا ہو کر اللہ کریم سے اور دور ہو گیا تو وہ سزا تھی (بقیہ صفحہ نمبر 26 پر)

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی..........ایک صوفی شاعر

ڈاکٹر حافظ عبد القدیر
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ عربی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

تمہید:

تصوف اور صوفی کی بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ صوفی کو صوفی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ کمبل اوڑھتا ہے۔ کچھ کا خیال ہے کہ یہ لفظ صوفی "صفا" سے ماخوذ ہے یعنی ایسا شخص جس کا ظاہر و باطن صاف ہو۔ بعض کا کہنا ہے کہ یہ وہ شخص ہے جو اصحاب صفہ سے محبت کرتا ہے، جبکہ بعض دوسرے لوگ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ صوفی روزِ قیامت صفِ اول میں کھڑے ہوں گے اس لیے صوفی کہلاتے ہیں۔ خود تصوف کے بارے میں بھی مختلف آرا، پائی جاتی ہیں، کچھ لوگ تو سرے سے ہی اس کے منکر ہیں، کچھ نے اسے مشاہدہِ باطن کا نام دیا ہے، کچھ اسے تزکیہِ نفس سے تعبیر کرتے ہیں۔ بہرحال تصوف چاہے صوف سے ہو یا صفا سے یہ باطن کی صفائی، تصفیہِ اخلاق اور نفس پر قابو پا کر قربِ حق حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے جسے طریقت بھی کہتے ہیں، اور اس عمل کے کرنے والے کو صوفی پکارتے ہیں۔ چونکہ اس عمل میں خدا کی طرف باطنی سفر کیا جاتا ہے اس لیے اسے سلوک اور صوفی کو سالک کا نام بھی دیا گیا ہے۔

اسلام میں سب سے پہلے صوفی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں تصوف کے باب میں لکھا ہے کہ صفا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صفت تھی، وہی اصحاب طریقت و سلوک کے امام اور مقتدا ہیں۔ آپؓ کے بعد سالکینِ طریقت کی ایک لمبی فہرست ہے جو مختلف زمانوں میں تشریف لائے اور لوگوں کے ظاہر و باطن کو صاف کرنے کا فریضہ سرانجام دیا۔

حضرت اویس قرنیؒ، حضرت حسن بصریؒ، حضرت مالک بن دینارؒ، حضرت ابراہیم اُدھمؒ، حضرت بشیر حافیؒ، حضرت بایزید بسطامیؒ، حضرت داؤد طائیؒ، حضرت معروف کرخیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت علی ہجویریؒ، مولانا اللہ یار خانؒ، یہ سب وہ بابرکت ہستیاں ہیں جنہوں نے چراغِ تصوف کی لو کو اپنے اپنے زمانے میں روشن رکھا۔

انہیں سالکینِ طریقت میں سے ایک نام دورِ حاضر کے مشہور صوفی مولانا محمد اکرم اعوان کا ہے۔ آپ مختلف الجہات شخصیت ہیں۔ شعلہ بیاں مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ مترجم قرآن بھی ہیں اور مفسرِ قرآن بھی۔ اکرم التراجم کے نام سے قرآن کریم کا ترجمہ کر چکے ہیں، اسی طرح اکرم التفاسیر کے نام سے دس جلدوں میں قرآن کریم کی تفسیر بھی قرآنیات میں آپ کے زورِ قلم اور تبحرِ علمی کا ایسا منہ بولتا ثبوت ہے جو عوام و خواص سے قبولیت کی سند حاصل کر چکا ہے۔

آپ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے شیخِ طریقت اور مولانا اللہ یار خان علیہ الرحمۃ کے جانشین ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے بحرِ سخن کی غواصی بھی کی ہے۔ "گردِ سفر"، "آس جزیرہ"، "دل دروازہ"، "کوئی ایسی بات ہوئی ہے"، "نشان منزل"، "دیدہ تر" اور "سوچ سمندر" کے نام سے مختلف مجموعہ ہائے کلام منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔

آپ نے اردو، پنجابی اور سرائیکی زبان میں شاعری کی ہے۔ البتہ آپ کی شاعری کا بیشتر حصہ اردو اور پنجابی میں ہے۔ تخلص سیماب اور فقیر ہے۔

مولانا اکرم اعوان ان شعراء میں سے نہیں ہیں جو فن برائے فن کے قائل ہیں اور صرف مشاطگی زلفِ سخن ہی میں لگے رہتے ہیں۔ وہ ان شعراء میں سے بھی نہیں ہیں جو عربی اصطلاح میں "عبید الشعر" (شعر کے غلام) کہلاتے ہیں یعنی ایسے شاعر جو اپنے اشعار کی نوک پلک

سنوارنے میں خون پسینہ ایک کرنے والے شاعر ہیں۔ روایات میں ملتا ہے کہ مشہور جاہلی شاعر زہیر بن ابی سلمی ایک قصیدہ (نظم) کہنے میں پورا سال لگاتا۔ وہ پہلے چار ماہ قصیدہ کہنے، اگلے چار ماہ اس کی کانٹ چھانٹ کرنے اور آخری چار ماہ لوگوں کو وہ قصیدہ سنانے میں لگاتا، یوں ایک قصیدہ کہنے میں پورا سال گذر جاتا۔ اسی وجہ سے اس کے قصائد "حولیات" یعنی "سال سال بھر میں کہے ہوئے" قصائد کہلائے۔

ہمارا صوفی شاعر کوئی پیشہ ور شاعر نہیں ہے، نہ ہی وہ دور جاہلی کے مذکورہ بالا شاعر کی طرح اتنا فارغ ہے کہ اپنا سارا وقت اسی شجر کی آبیاری میں گذارے، اسے اس شغل کے لئے تبھی فرصت ملتی ہے جب وہ کسی گاڑی یا جہاز میں سفر کر رہا ہوتا ہے۔ وہ دورانِ سفر میں اپنی قلبی واردات کو نظم کی صورت میں سپردِ قلم کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر نظموں یا غزلوں کے نیچے قوسین کے مابین ہمیں یہ عبارت ملتی ہے کہ یہ غزل یا نظم فلاں سفر کے دوران میں کہی گئی۔ بقول ڈاکٹر اجمل نیازی:

"اپنی آسودگی کے لئے وہ ذکر کرتے ہیں فکر کرتے ہیں اور شعر بھی کہتے ہیں۔ یہ ان کے فرصت کے لمحوں کی فراست ہے۔۔۔ شاید وہ ریلیکس ہونا چاہتے ہیں تو شعر کہتے ہیں۔ لوگ اس کام کے لیے تفریح کے کیا کیا سامان ڈھونڈتے ہیں، مگر ملک صاحب کی تفریح بھی ترفع سے خالی نہیں۔ ان کی شاعری ان کے اعلیٰ وارفع معمولات کا ایک ہلکا پھلکا روپ ہے۔ ان کی شاعری شاعری کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔ اس شاعری سے کچھ لینے کے لیے حضرت اکرم صاحب کے پاس کچھ دیر بیٹھنا ضروری ہے۔"

ایک دوسری جگہ وہ یوں رقمطراز ہیں:

"یہ شاعری لکھنے کے لیے کوئی تردد نہیں کیا گیا۔ جیسے لفظ خود بخود اس ترتیب میں آ جمع ہوئے ہیں۔ مسافر پرندوں کو شفاف میٹھے اور کشادہ پانیوں پر اترنے کے لیے دیر نہیں لگتی۔ جذبوں کو کہیں ٹھکانہ بناتے ہوئے مستحق ثابت کرنے کے لیے منتظر نہیں رہنا پڑتا۔ زور لگا کر کہے گئے اشعار میں پختہ کاری کا غرور تو ہوتا ہے معصومیت کی غیرت نہیں ہوتی۔ کشش کبھی کوشش سے پیدا نہیں ہوئی۔ کیفیت اور کیف باوقار دریاؤں کی بے ساختہ روانی اور باوفا ہواؤں کی برجستہ آسانی جیسی خصوصیات والی شاعری میں پیدا ہوتا ہے۔"

شاید اسی فرق کی طرف مولانا اکرم اعوان نے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے:

عشق کے درمند کا طرز کلام اور ہے
تیرا پیام اور ہے میرا پیام اور ہے

ہمارے صوفی شاعر نے شاعری میں کہیں باقاعدہ زانوئے تلمذ طے نہیں کیا۔ وہ "الشعراء تلامیذ الرحمان" کا مصداق ہے۔ اسے خود بھی اس بات کا احساس ہے کہ اس کے پاس گیسوئے سخن سنوارنے کا وقت نہیں ہے۔ اپنے مجموعۂ کلام "گردِ سفر" کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

"عین ممکن ہے کہ میرے اشعار معیاری نہ ہوں اور ان میں کمی بیشی ہو یا بحر درست نہ ہو مگر ایک بات ضرور ہے کہ میں نے جو محسوس کیا اور کہنا چاہا کہہ گذرا۔"

ہمارا شاعر "شاعری جزویست از پیغمبری" پر یقین رکھتا ہے، اسی لیے اُس کی نظر میں معانی کی اہمیت الفاظ سے کہیں زیادہ ہے بقول اقبال:

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا
غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے

اور بقول حسرت موہانی:

شعر دراصل ہے وہی حسرت
سنتے ہی دل میں جو اتر جائے

حسرت موہانی کے اس شعر کی تصدیق ہر وہ شخص کرے گا جو ایک بار مولانا اکرم اعوان کی شاعری پر نگاہ ڈالے گا۔

تصوف کے خاص موضوعات حسن ازل اور عشق حقیقی ہیں جن تک پہنچنے کے لیے حسن مجازی اور عشق مجازی کا سہارا صوفی شعراء نے لیا

ہے۔صوفیاء کا مقولہ ہے اللہ جمیل و یحب الجمال یعنی خدا حسین ہے اور حسن پسند بھی۔چنانچہ انہیں کائنات کی ہر شے میں حسن ازل کی جھلک نظر آتی ہے، اسی لیے انہوں نے حسن و جمال ظاہری کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ اور حسن و جمال کے جملہ متعلقات بھی اسی ذیل میں آ گئے ہیں۔مولانا محمد اکرم اعوان کی شاعری کا ایک حصہ اسی حسن و جمال سے متعلق ہے۔مثلاً وہ اپنے محبوب کی تعریف میں یوں رقمطراز ہیں:

ہو سی ہیر سیالاں دی بہت چنگی
کوئی اپنی ہیر بنائی ہووے
وچ زلفاں گلاب دے ہون رچیاں
گانی عشق والی گل پائی ہووے
کڈ جگر دا خون بنا مہندی
پیراں ہیر دیاں نوں لائی ہووے
وچ جوڑیاں ہیر سجائی ہووے
وے میں ہجر فراق نوں بھٹ پاواں
سدا سامنے آپ بٹھائی ہووے
ونڈا مال اسباب جہان والے
شالا اپنی جھوک لٹائی ہووے
پچھے گل جہاں دی کوئی آ کے
اگوں یار دی گل سنائی ہووے
وانگوں خضر دے اتر دریا جاواں
کملی لہراں دی آپ بنائی ہووے
لبھیں کجھ تصویر مصورا وے
جئی کدی نہ کسے بنائی ہووے

ہمارا شاعر جب کوچۂ حسن و عشق میں قدم رکھتا ہے تو اس یقین کے ساتھ کہ یہ میدان پھولوں کی سیج نہیں، نہ ہی عشق بچوں کا کھیل ہے۔ اُسے اس بات کا کلی ادراک ہے کہ اس کھیل کے کھلاڑی کو دنیا چھوڑنی پڑتی ہے، لذتوں سے منہ پھیرنا پڑتا ہے، گلے میں کاسہ ڈالنا پڑتا ہے، پاگل مجنوں اور سرپھرا جیسے الفاظ سننا پڑتے ہیں اور بسا اوقات لوگوں سے پتھر کھا کر، قدم و جسم لہولہان کروا کر طائف کی یاد تازہ کرنا پڑتی ہے۔مختصراً اُسے اس بات کا احساس ہے کہ یہ ایک آگ کا دریا ہے اور سالک کو ڈوب کے جانا ہے۔اُس کا کہنا ہے کہ:

ہس ہس چڑھ دے سولی ڈھٹھے عشقوں باز نہ آون
قول قرار توں کدی نہ پھر دے بھتھیں سر کٹاون
کن پڑوا کے تن تے لیراں پھڑ ہتھاں وچ کاسے
رانجھا بن دے نہ شرماون ٹرن سجن دے پاسے

اور

بس کر گل فقیر عشق دی ایہہ ان ملے موتی
قدر انہاں دی اوہ کی جانن مل جنھاں دا روٹی
دل دی تھاں تے وچ سینے دے جنھاں پتھر لائے
طعنے مارن فتوے لاون گلیں شہر وسائے

ایک اور جگہ وہ ان عاشقانِ پاک طینت کی یوں منظر کشی کرتے دکھائی دیتے ہیں:

گل لیراں دی کفنی پا کے لبھ دے پھرن بیچارے
لوکی پاگل پاگل آکھن ایہہ عشق دے مارے
سولی چڑھدے وی نئیں ڈردے کدی ہوون یار نظارے
ہس ہس گل جا موت نوں لاندے ایہہ درداں دے مارے

اور

ہو جن کا عشق صادق وہ سمندر چیر جاتے ہیں
بھلا دیوانہ کب محتاج ہوتا ہے سفینوں کا
اگر تعمیر ہی مقصود ہو تو عمر لگتی ہے
نہیں ہے کام یہ سیماب سالوں کا مہینوں کا

ایک دوسری جگہ اسی خیال کو اس انداز سے نظم کا پیرہن پہناتے ہیں

سیماب کٹے گی عمر یہاں
دو چار دنوں کی بات نہیں

آنجنابؐ کے شمائل میں ہمیں ملتا ہے کہ آپ ؐ کو فقر محبوب تھا۔ آپ نے اپنے اصحاب کو دنیا سے بے رغبتی، آخرت سے لو لگانے اور اس کی فکر کا حکم و درس دیا۔ اسی لیے آپ نے یہ دعا فرمائی:

"اللّٰھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا و احشرنی فی زمرۃ المساکین"

یعنی "اے اللہ! مجھے مسکین کی زندگی عطا فرما، اور مسکین کی موت عطا فرما، اور روزِ قیامت مساکین کے مابین اُٹھا"۔

اسی طرح ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

"تعس عبد الدنیا و تعس عبد الدرھم" یعنی کہ دینار و درہم کے پیچھے بھاگنے والا ہلاک ہو گیا۔"

اسی بناء پر صوفیاء اپنے مریدین اور سالکینِ طریقت کو دنیا سے منہ موڑنے، اس پر اعتبار نہ کرنے، آخرت کی طرف دھیان دینے اور اللہ سے لو لگانے کا درس دیتے ہیں۔ اسی بات کا درس ہمیں مولانا اکرم اعوان کی شاعری میں جابجا ملتا ہے مثلاً:

جند میرے نہ لا یاری دنیا جھوٹی اے
ٹر جان گے مار اڈاری دنیا جھوٹی اے
ایتھے سسیاں پنن گنوائے
رانجھے ہیراں ہتھ نہ آئے
لوکی آکھن قسمت ماڑی دنیا جھوٹی اے
جند میرے نہ لا یاری دنیا جھوٹی اے
چل رب نوں ڈھونڈھن چلئے
بوا چل فقیر دا ملیے
باقی سب چور بازاری دنیا جھوٹی اے
جند میرے نہ لا یاری دنیا جھوٹی اے
ٹر جان گے مار اڈاری دنیا جھوٹی اے

دنیا سے بے ثباتی اور آخرت پہ یقین کے حوالے سے انہوں نے کیا خوب کہا ہے:

جینے کے ہاتھوں مرتے رہے ہم تو عمر بھر
مر کے جو بات بنتی ہے اب تک بنی نہ تھی

مولانا اکرم اعوان کے ہاں جہاں ہمیں تصوف کے روایتی موضوعات ملتے ہیں وہیں اعلائے کلمۃ الحق کا درس بھی ملتا ہے۔ اُن کی نظر میں صوفی کا کام صرف عامۃ الناس کی اصلاح نہیں ہے، بلکہ اسے چاہیے کہ وہ اس رشد و ہدایت کا دائرہ کار خواص تک بھی بڑھائے۔ اُس پر لازم ہے کہ وہ اپنے قلم و زبان سے ملوک و امراء کی راہنمائی کرے، اور اُنہیں غلط کاموں سے روکے۔ مولانا کی شاعری میں ہمیں اعلائے کلمۃ الحق کے ساتھ ساتھ ظالم حکمرانوں پر طنز اور تنقید کے نشتر بھی چلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

شیشے میں کاش اُنہیں ڈھب سے اُتارا ہوتا
شیشہ ہم نے جو دکھایا تو بُرا مان گئے
تھے الیکشن تو سرِ عام ملا کرتے تھے
بعد اس کے جو بلایا تو برا مان گئے
اپنی تعریف پہ کھل اٹھتا ہے چہرہ اُن کا
حال شہروں کا سنایا تو برا مان گئے
قومی سرمائے پہ وہ عیش کیا کرتے ہیں
قوم کا حشر دکھایا تو برا مان گئے
پھانسی اپنوں کو ہوئی ہے تو کہیں اُن کو شہید
لاشہ مفلس کا دکھایا تو برا مان گئے
اُن کی کوٹھی پہ چراغاں کا سماں رہتا ہے
لوڈ شیڈنگ کا سنایا تو برا مان گئے
چارہ گھوڑوں کا بھی امپورٹ کیا کرتے ہیں
چہرہ غربت کا دکھایا تو برا مان گئے
منہ خزانے کا وہ اپنوں پہ کھلا رکھتے ہیں
نام سیماب کا آیا تو برا مان گئے

اس قسم کی شاعری کے حوالے سے نظم "دوزخ" جو محمد خان جونیجو

سابق وزیر اعظم پاکستان کے حوالے سے لکھی گئی اور "قومی اسمبلی ۱۹۹۳ ٹوٹنے پر" "مغرب یعنی اندھوں کی نگری" "ملے جلے حالات" "دیسی گورے" "بیوی کی حکومت" اور "امام لیڈر" وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ایک اور نظم دیکھیے کہ وہ اپنے ماننے والے مریدین کو چلہ کشی، غاروں میں جا کر عبادت کرنے، جنگلات کا رخ کرنے کا حکم نہیں دیتے، بلکہ اسی کارزارِ حیات میں حالات کا سامنا کرنے، طاغوتی قوتوں اور لشکروں کا مقابلہ کرنے اور نام محمد تمام عالم میں پھیلانے کا حکم دیتے ہیں۔

اٹھو نوجوانو! زمین کو ہلا دو
ہر اک دل کے اندر مدینہ بسا دو
اٹھی ہیں گھٹائیں یہ تاریکیوں کی
تمہی ذکر باری کا سورج چڑھا دو
غلامی محمد کی اپناؤ پھر سے
بتوں کی خدائی کو جگ سے مٹا دو
بڑوں کی نگاہوں پہ لالچ کے پردے
اٹھو چھین کے سارے پردے ہٹا دو
ہے سودی معیشت، یہودی سیاست
یہودی رسومات کو اب جلا دو
یہاں ہو گی اب دین کی بادشاہی
فضائے وطن کو یہ مژدہ سنا دو
اٹھو نعرہ حق کو پھر لے کے اٹھو!
حکومت کے محلوں میں ہلچل مچا دو

مولانا کی شاعری کا ایک بہت بڑا حصہ حمد و نعت پر مشتمل ہے، ہمارا صوفی شاعر جب اس بابرکت میدان میں قدم رکھتا ہے تو اس پر ایک عجیب طرح کی مستی، اور پڑھنے والے پر سرور و سکینہ نازل ہوتا ہے۔ مولانا کی اکثر شاعری اس صنف کے گرد گھومتی ہے اور اسی بحرِ بیکراں کی وسعتوں میں غوطہ زن دکھائی دیتی ہے۔ آپ ان کے مجموعہ کلام "آس جزیرہ" کا انتساب پڑھیے، آپ فوراً اس ہستی کو جان جائیں گے جس کے نام یہ مجموعہ کلام منتسب ہے

انتساب

اُس کے نام جسے میں نے
سوچا بہت ہے ابھی دیکھا نہیں

بقول سید ضمیر جعفری:

"بنیادی طور پر یہ تخلیقات ایک اہل دل کے سوز و گداز کے مظہر ہیں، سب سے بڑی متاعِ فکر عشقِ رسول ہے"۔

ان کی نعت کے چند ایک نمونے ملاحظہ ہوں:

حسنِ ظاہر سے تیرے روشن جہانِ رنگ و بو
پر جمالِ باطنی کی ضوفشانی اور ہے
دیکھتی ہے آنکھ گنبد کو کبھی در کو کبھی
دل نے جو دیکھا ہے آقا وہ کہانی اور ہے
بہتے ہیں دریا بہت شوریدہ سر موجیں بھی ہیں
بحرِ رحمت کی تیرے لیکن روانی اور ہے
چاہنے والوں سے چھپنا ہے وطیرہ حسن کا
گھر پہ تیرے عاشقوں کی میزبانی اور ہے

اور

تیری یادوں کا چمن دل میں بسایا میں نے
راز جینے کا تیری یاد سے پایا میں نے
بوسے مٹی نے دیے تیرے قدم کو آقا
خاکِ بطحا کو ہے آنکھوں سے لگایا میں نے
مجھے معلوم ہے لپٹا تھا یہ تجھ سے آقا
درِ کعبہ کو بھی سینے سے لگایا میں نے
میں تو ذرہ ہوں مری ذات میں کیا رکھا ہے
تیری نسبت ہی سے پایا ہے جو پایا میں نے
دیکھوں اس شہر مقدس کی جھلک پھر اک بار
رخت بے مایہ ہے کاندھے پہ اٹھایا میں نے

نام تیرا ہی تھا لب پر دمِ رخصت میرے
مال دنیا سے یہ سیماب کمایا میں نے

آنجنابؐ معراج کی رات آسمانوں کی سیر کے لئے تشریف لے گئے۔ سدرۃ المنتھیٰ، پھر عرش اور آخر میں بارگاہِ ایزدی میں حاضری ہوئی۔ یہ تو ایک نبی کی معراج تھی۔ آپ کا امتی ایک عام مسلمان یہ مرتبہ کیسے پا سکتا ہے۔ نعت اور عشق نبی کے حوالے سے مولانا اکرم اعوان کا وسعت خیال ملاحظہ ہو:

تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا
میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

ہمارے شاعر کا تو کل سرمایہ ہی یہ ہے:

اپنا سرمایہ فقط ایک ادھوری خواہش
کیا ترا نام لگانے کی جسارت کر لوں

نعت کا میدان ایسا مقدس میدان ہے کہ اس میں جس نے بھی قدم رکھا خود سراپا نور ہوا۔ نعت کے حوالے سے ہمیشہ سے علماء میں یہ بحث رہی ہے کہ آیا وہ شخص جو آنجنابؐ کی ذات پر ایمان نہیں رکھتا، آپؐ کے احکامات کو بجا نہیں لاتا، اگر وہ آپؐ کی شان والا صفات میں کوئی اشعار کہے تو کیا اسے نعت مانا جائے گا یا نہیں۔ علماء نے ہمیشہ اس پر بات کی ہے کہ مشہور جاہلی شاعر "اعشیٰ" جو نعتیہ قصیدہ لکھ کر آنجنابؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کی خاطر اپنے گھر سے چلا تھا لیکن "بنت عنب" کی محبت اسے واپس لے گئی اور وہ بارگاہ اقدس میں حاضری سے شرف یاب نہ ہو سکا، کیا اُس کے قصیدہ کو نعت میں شمار کیا جائے گا؟ ہمارا زیرِ بحث شاعر اس بحث میں نہیں الجھتا، اس کے ہاں تو نعت کا ہمیں ایک نیا تصور ملتا ہے۔ اس کی نظر میں نعت قول سے بڑھ کر عمل کا نام ہے۔ نعت وہ ہے جس کا اظہار آپ کے اعمال سے ہو۔ اس کا کہنا ہے:

نعت لکھنے کا قرینہ چاہیے
نور ہو جس میں وہ سینہ چاہیے
نعت شعروں میں نہیں لکھتے فقیر
اس کی خاطر چاک سینہ چاہیے

اور

غزلیں اور افسانے کہنا یہ بھی کام نرالے ہیں
لیکن دیکھو کتنے شاعر نعتیں کہنے والے ہیں
ڈھالنا لفظوں کو شعروں میں نعت اسے بھی کہتے ہیں
ایسی نعتیں ہندو شاعر بھی تو کہتے رہتے ہیں
نعت کا ہے اک خاص طریقہ وہ کب سب کو آتا ہے
جان لٹانا نام پہ اُن کے نعت یہی کہلاتا ہے
آگ برستی ہو میدان میں باطل کو للکارے جو
نعت کا شاعر وہ کہلائے حق پر جان نثارے جو

اور

آؤ پھر اسلام کی خاطر بدر و احد سجائیں ہم
ملک پہ نافذ دین کریں یا دنیا سے مٹ جائیں ہم
یہ ہوگی اک نعت نرالی خون سے لکھی جائے گی
ہیں دنیا میں عاشق باقی، کافر کو بتلائے گی

اور

اثاثہ ہے مومن کا الفت نبی کی
چلو نعت اک آج لکھیں نئی سی
محمدؐ کی عظمت کا جھنڈا اٹھاؤ
کوئی نعت خون سے بھی لکھ کر دکھاؤ

مولانا اکرم اعوان کی شاعری کے حوالے سے "لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم" کے مصداق گفتگو کو مزید بڑھایا جا سکتا ہے، مگر میں یہ چاہوں گا کہ آپ اس شاعر سے خود ملیں، اور کلامِ شاعر بزبان شاعر سنیں۔ میں اپنی اس بے ربط گفتگو کو سیماب کا پتہ بتا کر ختم کرتا ہوں۔ خود جائیے، جا کر اُن سے ملیے۔ پتہ ہے:

درِ حبیبؐ پہ سیماب کو تلاش تو کر
وہ اور جائے گا اٹھ کر کہاں مدینے سے

گذشتہ سے پیوستہ

غزوۂ اُحد

ماخوذ "سیرت النبیؐ" از شبلی نعمانی

حضرت ابوطلحہؓ اور حضرت سعدؓ کی قدر اندازی:

حضرت ابوطلحہؓ جو حضرت انسؓ کے علاتی باپ تھے، مشہور قدر انداز تھے۔ اُنہوں نے اس قدر تیر برسائے کہ دو تین کمانیں ان کے ہاتھ میں ٹوٹ ٹوٹ کر رہ گئیں۔ انہوں نے سپر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے پر اوٹ کرلی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی وار نہ آنے پائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی گردن اٹھا کر دشمنوں کی فوج کی طرف دیکھتے تو عرض کرتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گردن نہ اٹھائیں ایسا نہ ہو کہ کوئی تیر لگ جائے۔ یہ میرا سینہ سامنے ہے۔ (1) حضرت سعد وقاصؓ بھی مشہور تیر انداز تھے اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رکاب میں حاضر تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ترکش ان کے آگے ڈال دیا اور فرمایا "تم پر میرے ماں باپ قربان۔ تیر مارتے جاؤ"۔ (2)

اسی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے عبرت کے لہجہ میں یہ لفظ نکلا "وہ قوم کیا فلاح پا سکتی ہے جو اپنے پیغمبر کو زخمی کرتی ہے۔" بارگاہ خداوندی میں یہ الفاظ پسند نہ آئے اور یہ آیت اتری:

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ (آل عمران:128)

تم کو اس معاملہ میں کچھ اختیار نہیں۔

چنانچہ صحیح بخاری غزوۂ اُحد میں یہ واقعہ مذکور ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثابت قدموں کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے کہ دشمن اِدھر نہیں آسکتے تھے۔ ابوسفیان نے دیکھ لیا۔ فوج لے کر پہاڑی پر چڑھا۔ لیکن حضرت عمرؓ اور چند صحابہؓ نے پتھر برسائے جس سے وہ آگے نہ بڑھ سکا (3)

(1) صحیح بخاری، غزوۂ اُحد، (2) ایضاً (3) طبری

مدینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کی غلط خبر پہنچنا:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کی خبر مدینہ میں پہنچی تو اخلاص شعار نہایت بیتابی کے ساتھ دوڑے جناب فاطمہ زہراؓ نے آکر دیکھا تو ابھی تک چہرۂ مبارک سے خون جاری تھا۔ حضرت علیؓ سپر میں پانی بھر کر لائے۔ جناب سیدہؓ دھوتی تھیں لیکن خون نہیں تھمتا تھا۔ بالآخر چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اور زخم پر رکھ دیا۔ خون فوراً تھم گیا (1)

ابوسفیان اور حضرت عمرؓ کے سوال و جواب:

ابوسفیان سامنے کی پہاڑی پر چڑھ کر پکارا کہ یہاں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کوئی جواب نہ دے۔ ابوسفیان نے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کا نام لے کر پکارا۔ اور جب کچھ آواز نہ آئی تو پکار کر بولا سب مارے گئے۔ حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہوسکا۔ بول اُٹھے۔

"او دشمن خدا! ہم سب زندہ ہیں۔"

ابوسفیان نے کہا:

أعلِ هبل (2) — اے ہبل تو اونچا رہ

صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے کہا:

الله اعلیٰ واجلّ — خدا اونچا اور بڑا ہے۔

ابوسفیان نے کہا:

لنا العزّیٰ (3) ولا عزّیٰ لکم — ہمارے پاس عزّیٰ ہے۔ تمہارے پاس نہیں۔

صحابہؓ نے کہا:

الله مولانا ولا مولیٰ لکم — خدا ہمارا آقا ہے اور تمہارا

(1) صحیح بخاری، غزوۂ اُحد (ج دوم) (2) بت کا نام (3) بت کا نام ہے لفظی معنی عزت کے ہیں۔

کوئی آقا نہیں۔

ابوسفیان نے کہا'' آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہے۔فوج کے لوگوں نے مُردوں کے ناک کان کاٹ لئے ہیں۔میں نے یہ حکم نہیں دیا تھا۔لیکن مجھ کو معلوم ہوا تو کچھ رنج بھی نہیں ہوا۔(1)

آنحضرت ﷺ نے مستورات اور بچوں کو حضرت یمانؓ اور حضرت ثابتؓ کی حفاظت میں مدینہ کے پاس کے قلعوں میں بھیج دیا تھا۔ان لوگوں کو شکست کی خبر معلوم ہوئی تو سب کو چھوڑ کر اُحد کی طرف بڑھے۔حضرت ثابتؓ مشرکوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔حضرت یمانؓ کو مسلمان ہجوم عام میں پہچان نہ سکے۔ان پر تلواریں برس پڑیں۔اُن کے صاحبزادے حضرت حذیفہؓ نے ہر چند ''ہاں ہاں'' کہا اور پہنچوایا کہ میرے باپ ہیں لیکن ہنگامہ میں کون سنتا تھا۔حذیفہؓ یہ کہہ رہ گئے کہ'' مسلمانو! خدا تمہارے اس گناہ کو بخش دے۔''

آنحضرت ﷺ نے حضرت یمانؓ کا خون بہا مسلمانوں کی طرف سے ادا کرنا چاہا لیکن حضرت حذیفہؓ نے معاف کر دیا۔ابن ہشام میں یہ واقعہ بہ تفصیل مذکور ہے۔صحیح بخاری میں بھی ہے۔لیکن مختصر ہے۔

ہند کی حضرت حمزہؓ کی لاش کے ساتھ بے ادبی:

خاتونانِ قریش نے انتقام بدر کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا ان کے ناک کان کاٹ لئے۔ہند (حضرت امیر معاویہؓ کی ماں) نے ان پھولوں کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا۔حضرت حمزہؓ کی لاش پر گئی اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبائی لیکن گلے سے اتر نہ سکا اس لئے اگل دینا پڑا۔تاریخوں میں ہند کا لقب جوجگرخوار لکھا جاتا ہے۔اسی بنا پر لکھا جاتا ہے۔ہند فتح مکہ میں ایمان لائی لیکن جس طرح ایمان لائی وہ عبرت خیز ہے۔تفصیل آگے آئے گی۔

خاتونان اسلام کی اس جنگ میں خدمات

اس غزوۂ میں اکثر خاتونانؓ اسلام نے بھی شرکت کی۔حضرت عائشہؓ اور حضرت اُمِ سلیمؓ جو حضرت انسؓ کی ماں تھیں زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ اور اُمّ سلیمؓ کو دیکھا کہ پائینچے چڑھائے ہوئے مشک بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔مشک خالی ہوجاتی تھی تو جا کر بھر لاتی تھیں (1) ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت اُم سلیطؓ نے بھی جو حضرت ابوسعید خدریؓ کی ماں تھیں، یہی خدمت انجام دی۔(2)

عین اس وقت جبکہ کافروں نے عام حملہ کر دیا تھا اور آپ ﷺ کے ساتھ صرف چند جان نثار رہ گئے تھے۔حضرت اُم عمارۃؓ آنحضرتؐ کے پاس پہنچیں اور سینہ سپر ہو گئیں۔کفار جب آپ ﷺ پر بڑھتے تھے تو تیر اور تلوار سے روکتی تھیں۔ابن قمیہ جب دراتا ہوا آنحضرتؐ کے پاس پہنچ گیا تو حضرت ام عمارۃؓ نے بڑھ کر روکا۔چنانچہ کندھے پر زخم آیا اور غار پڑ گیا۔انہوں نے بھی تلوار ماری لیکن وہ دُہری زرّہ پہنے ہوئے تھا اس لئے کارگر نہ ہوئی۔(3)

حضرت صفیہؓ کا استقلال:

حضرت صفیہؓ (حضرت حمزہؓ کی بہن) شکست کی خبر سن کر مدینہ سے نکلیں آنحضرت ﷺ نے ان کے صاحبزادے حضرت زبیرؓ کو بلا کر ارشاد کیا کہ حمزہ کی لاش نہ دیکھنے پائیں۔حضرت زبیرؓ نے آنحضرت ﷺ کا پیغام سنایا۔بولیں کہ میں اپنے بھائی کا ماجرا سن چکی ہوں لیکن خدا کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں۔آنحضرت ﷺ نے اجازت دی۔لاش پر گئیں۔خون کا جوش تھا اور عزیز بھائی کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے۔لیکن اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ کہہ کر چپ ہو رہیں اور مغفرت کی دعا مانگی۔(4)

ایک انصاریہ کی فدویت:

انصار میں سے ایک عفیفہ کے باپ، بھائی، شوہر سب اس معرکہ میں مارے گئے تھے۔باری باری تین سخت حادثوں کی صدا اس کے کانوں میں پڑتی جاتی تھی۔لیکن وہ ہر بار صرف یہی پوچھتی تھی کہ رسول اللہ (ﷺ) کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا بخیر ہیں۔اس نے پاس آ کر

(1) یہ تمام تفصیل بخاری غزوۂ اُحد کے ذکر میں ہے۔

(1) بخاری کتاب المغازی غزوہ اُحد (2) صحیح بخاری ذکر ام سلیطؓ۔(3) ابن ہشام (4) طبری

چہرۂ مبارک ﷺ دیکھا اور بے اختیار پکار اُٹھی ۔(1)

كل مصيبة بعدك جلل

تیرے ہوتے ہوئے سب مصیبتیں ہیچ ہیں۔

میں بھی اور باپ بھی، شوہر بھی برادر بھی فدا

اے شہِ دیںؐ ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

شہداء کی تعداد:

مسلمانوں کی طرف ستر آدمی مارے گئے جن میں زیادہ تر انصار تھے۔لیکن مسلمانوں کے افلاس کا یہ حال تھا کہ اتنا کپڑا بھی نہ تھا کہ شہداء کی پردہ پوشی ہوسکتی۔حضرت مصعب بن عمیرؓ ایک صحابی تھے کہ ان کے پاؤں چھپائے جاتے تو سر کھل جاتا اور سر ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے۔آخر پاؤں اذخر کی گھاس سے چھپادئے گئے۔یہ وہ حیرت انگیز منظر تھا کہ بعد کو بھی یہ واقعہ مسلمانوں کو یاد آجاتا تو آنکھیں تر ہوجاتیں۔شہداء بے غسل اسی طرح خون میں لتھڑے ہوئے دو دو ملا کر ایک ایک قبر میں دفن کئے گئے۔جس کو قرآن زیادہ یاد ہوتا اس کو مقدم کیا جاتا۔ان شہداء پر نماز جنازہ بھی اس وقت نہیں پڑھی گئی۔(2) آٹھ برس کے بعد وفات سے ایک دو برس پہلے جب آپ ادھر سے گزرے تو بے اختیار آپ ﷺ پر رقت طاری ہوئی اور اس طرح آپ ﷺ نے پُردرد کلمات فرمائے جیسے کوئی زندوں اور مردوں سے رخصت ہو رہا ہو اور اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک خطبہ دیا کہ ''مسلمانو! تم سے یہ خوف نہیں کہ پھر مشرک بن جاؤ گے لیکن یہ ڈر ہے کہ دنیا میں نہ پھنس جاؤ(3)''

(1) طبری، (2) یہ صحیح بخاری کی روایت ہے لیکن دوسری کتابوں میں بعض ایسی روایتیں بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت حمزہؓ پر تو خصوصیت کے ساتھ اور دوسرے شہداء پر بھی نماز جنازہ پڑھی۔ یہ شہداء ایک ایک کرکے اور بعض میں ہے کہ دس دس کرکے لائے جاتے تھے اور آپ ﷺ ان پر نماز جنازہ پڑھتے تھے۔اور حضرت حمزہؓ کی لاشِ مبارک پر ہر جماعت کے ساتھ گویا ستر دفعہ یا سات دفعہ نماز ادا کی گئی۔شرح معانی آلاثار طحاوی باب الصلوٰۃ علی الشہدا ونصب الرایہ ملنغی باب احادیث الصلوٰۃ علی شہید ومغازی واقدی) س (3) یہ تمام واقعات صحیح بخاری، غزوۂ اُحد کے متفرق ابواب میں ہیں۔

قریش کا تعاقب:

دونوں فوجیں جب میدان سے الگ ہوئیں تو مسلمان زخموں سے چور تھے تاہم یہ خیال کرکے کہ ابوسفیان مسلمانوں کو مغلوب سمجھ کر دوبارہ حملہ آور نہ ہو۔آپ ﷺ نے مسلمانوں کی طرف روئے خطاب کرکے فرمایا کہ کون ان کا تعاقب کرے گا؟ فوراً ستر آدمیوں کی ایک جماعت اس مہم کے لئے تیار ہوگئی جن میں حضرت ابوبکرؓ وزبیرؓ بھی داخل تھے(1)

ابوسفیان اُحد سے روانہ ہوکر جب مقام روحا پہنچا یہاں خیال آیا کہ کام ناتمام رہ گیا۔آنحضرت ﷺ کو پہلے ہی سے گمان تھا۔دوسرے ہی دن آپ ﷺ نے اعلان کرادیا کہ کوئی واپس نہ جائے۔چنانچہ حمراء اسد تک جو مدینہ سے آٹھ میل ہے تشریف لے گئے۔قبیلہ خزاعہ اس وقت تک ایمان نہیں لایا تھا لیکن در پردہ اسلام کا طرفدار تھا۔اس کا رئیس معبد خزاعی شکست کی خبر سُن کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور واپس جاکر ابوسفیان سے ملا۔ابوسفیان نے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔معبد نے کہا ''میں دیکھتا آتا ہوں محمد ﷺ اس سروسامان سے آرہے ہیں کہ ان کا مقابلہ ناممکن ہے۔'' غرض ابوسفیان واپس گیا۔(2) یہی واقعہ ہے جس کو مورخین نے تکثیر غزوات کے شوق میں ایک نیا غزوہ بنالیا ہے اور حمراء الاسد کا ایک نیا عنوان قائم کیا ہے۔

آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو تمام مدینہ ماتم کدہ تھا۔آپ ﷺ جس طرف سے گذرتے تھے گھروں سے ماتم کی آوازیں آتی تھیں۔ آپ ﷺ کو عبرت ہوئی کہ سب کے عزیز واقارب ماتم داری کا فرض ادا کررہے ہیں لیکن حمزہؓ کا کوئی نوحہ خواں نہیں ہے۔رقت کے جوش میں آپ ﷺ کی زبان سے بے اختیار نکلا:

اما حمزہؓ (3) فلا بواکی لہ

لیکن حمزہؓ کا کوئی رونے والا نہیں۔

حضرت حمزہؓ کا ماتم:

انصار نے یہ الفاظ سنے تو تڑپ اُٹھے۔سب نے جاکر اپنی بیویوں کو حکم دیا کہ دولت کدہ پر جاکر حضرت حمزہؓ کا ماتم کرو۔آنحضرت ﷺ نے

(1) صحیح بخاری، س (2) طبری، (3) مسند احمد ج س

دیکھا تو دروازہ پر پردہ نشینان انصار کی بھیڑ تھی اور حضرت حمزہؓ کا ماتم بلند تھا۔ ان کے حق میں دعائے خیر کی اور فرمایا میں تمہاری ہمدردی کا شکر گذار ہوں لیکن مردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں (عرب میں دستور تھا کہ مردوں پر عورتیں زور زور سے نوحہ اور بین کرتی تھیں، کپڑے پھاڑ لیتی تھیں، گال نوچتی گالوں پر تھپڑ مارتی تھیں اور چیختی چلاتی تھیں۔ یہ رسم بد اسی دن سے بند کر دی گئی، او رفرمایا گیا کہ آج سے کسی مردہ پر نوحہ نہ کیا جائے (1) یہ بھی بعد کو ارشاد ہوا کہ اس طرح ماتم کرنا مسلمان کی شان نہیں (2)

(قرآن مجید میں سورۂ آل عمران میں غزوۂ اُحد کا مفصل ذکر موجود ہے)

جنگ اُحد میں فتح و شکست کا ایک تجزیہ:

اس غزوے کے انجام کے بارے میں بڑی طویل طویل بحثیں کی گئی ہیں کہ آیا اسے مسلمانوں کی شکست سے تعبیر کیا جائے یا نہیں؟ سیرت کی انعام یافتہ کتاب "رحیق مختوم" میں تجزیہ اس طرح کیا گیا ہے۔

"جہاں تک حقائق کا تعلق ہے تو اس میں شبہ نہیں کہ جنگ کے دوسرے راؤنڈ میں مشرکین کو برتری حاصل تھی اور میدان جنگ انہیں کے ہاتھ تھا۔ جانی نقصان بھی مسلمانوں ہی کا زیادہ ہوا اور زیادہ خوفناک شکل میں ہوا اور جنگ کی رفتار مکی لشکر کے حق میں رہی، لیکن ان سب کے باوجود بعض امور ایسے ہیں جن کی بنا پر ہم اسے مشرکین کی فتح سے تعبیر نہیں کر سکتے۔"

ایک تو یہی بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ مکی لشکر مسلمانوں کے کیمپ پر قابض نہیں ہو سکا تھا اور مدنی لشکر کے بڑے حصے نے سخت اتھل پتھل اور بدنظمی کے باوجود فرار نہیں اختیار کیا تھا، بلکہ انتہائی دلیری سے لڑتے ہوئے اپنے سپہ سالار کے پاس جمع ہو گیا تھا۔ نیز مسلمانوں کا پلہ اس حد تک ہلکا نہیں ہوا تھا کہ مکی لشکر ان کا تعاقب کرتا۔ علاوہ ازیں کوئی ایک بھی مسلمان کافروں کی قید میں نہیں گیا نہ کفار نے کوئی مال غنیمت حاصل کیا۔ پھر کفار جنگ کے تیسرے راؤنڈ کے لئے تیار نہیں ہوئے حالانکہ اسلامی لشکر ابھی اپنے کیمپ ہی میں تھا علاوہ ازیں کفار نے میدان جنگ میں ایک یا دو دن یا تین دن قیام نہیں کیا حالانکہ اس زمانے میں فاتحین کا یہی دستور تھا اور فتح کی یہ ایک نہایت ضروری علامت تھی، مگر کفار نے فوراً واپسی کی راہ اختیار کی اور مسلمانوں سے پہلے ہی میدان جنگ خالی کر دیا۔ نیز انہیں بچے قید کرنے اور مال لوٹنے کے لئے مدینے میں داخل ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔ حالانکہ یہ شہر چند ہی قدم کے فاصلے پر تھا اور فوج سے مکمل طور پر خالی اور ایک دم کھلا پڑا تھا اور راستے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔

ان ساری باتوں کا ماحصل یہ ہے کہ قریش کو زیادہ سے زیادہ صرف یہ حاصل ہوا کہ انہوں نے ایک وقتی موقعے سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کو ذرا سخت قسم کی زک پہنچا دی ورنہ اسلامی لشکر کو نرغے میں لینے کے بعد اسے کلی طور پر قتل یا قید کر لینے کا جو فائدہ انہیں جنگی نقطۂ نظر سے لازماً حاصل ہونا چاہئے تھا اس میں وہ ناکام رہے اور اسلامی لشکر قدرے بڑے خسارے کے باوجود نرغہ توڑ کر نکل گیا، اور اس طرح کا خسارہ تو بہت سی دفعہ خود فاتحین کو برداشت کرنا پڑتا ہے اس لئے اس معاملے کو مشرکین کی فتح سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔

بلکہ واپسی کے لیے ابوسفیان کی عجلت اس بات کی غماز ہے کہ اسے خطرہ تھا کہ اگر جنگ کا تیسرا دور شروع ہو گیا تو اس کا لشکر سخت تباہی اور شکست سے دوچار ہو جائے گا۔ اس بات کی مزید تائید ابوسفیان کے اس موقف سے ہوتی ہے جو اس نے غزوہ حمراالاسد کے تئیں اختیار کیا تھا۔

ایسی صورت میں ہم غزوے کو کسی ایک فریق کی فتح اور دوسرے کی شکست سے تعبیر کرنے کے بجائے غیر فیصلہ کن جنگ کہہ سکتے ہیں جس میں ہر فریق نے کامیابی اور خسارے سے اپنا اپنا حصہ حاصل کیا۔ پھر میدان جنگ سے بھاگے بغیر اور اپنے کیمپ کو دشمن کے قبضہ کے لئے چھوڑے بغیر لڑائی سے دامن کشی اختیار کر لی۔"

دوسری طرف "سیرت النبیؐ" از شبلی نعمانی میں دیکھیں تو یہ واضح ہے کہ آپ ﷺ نے کفار کے لشکر کا تعاقب کیا اور جب انہیں اس تعاقب کا علم ہوا تو انہوں نے جلدی سے راہ فرار اختیار کی۔ آپ ﷺ نے تین دن اُحد میں قیام فرمایا۔ شہدا کو دفن کیا اور اس کے بعد مدینہ واپس تشریف لے گئے۔ ایسا رویہ کوئی فاتح لشکر ہی اختیار کر سکتا ہے۔ لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ ﷺ کو اُحد میں بھی فتح نصیب ہوئی۔

------

(1) ابن ہشام (غزوۂ اُحد) اور مسند احمد (ج دوم) (2) صحیح بخاری کتاب الجنائز میں۔

خواتین کا صفحہ

حضرت اُم ایمن رضی اللہ عنہا

ماخوذ سیرت الصحابیات از مولانا سعید انصاری، مولانا عبدالسلام ندوی

نام ونسب:

برکۃ نام، ام ایمن کنیت، ام الظباء، عرف۔ سلسلہ نسب یہ ہے، برکۃ بنت ثعلبہ بن عمرو بن حصن بن مالک بن سلمہ بن عمرو بن نعمان، حبشہ کی رہنے والی تھیں، اور حضرت عبداللہ (پدر آنحضرت ﷺ) کی کنیز تھیں۔ بچپن سے حضرت عبداللہ کے ساتھ رہیں اور جب انہوں نے انتقال کیا تو حضرت آمنہ ؓ کے پاس رہنے لگیں۔ ان کے بعد خود سرور کائنات ﷺ کے حلقہ غلامی میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا۔ آنحضرت ﷺ کی ان ہی نے پرورش اور پرداخت کی تھی (1)۔

نکاح:

حارث بن خزرج کے خاندان میں عبید بن زید ایک شخص تھے (2) ام ایمن ؓ کا ان ہی کے ساتھ عقد ہوا، لیکن جب انہوں نے وفات پائی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت زید ؓ بن حارثہ سے جو کہ محبوب خاص تھے، نکاح پڑھایا۔ یہ بعثت کے بعد کا واقعہ ہے۔

اسلام:

حضرت زید ؓ چونکہ مسلمان ہو چکے تھے، ام ایمن ؓ نے بھی اسلام قبول کیا۔

عام حالات:

جب مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو وہ بھی گئیں اور وہاں سے ہجرت کے بعد مدینہ واپس آئیں، غزوۂ احد میں شرکت کی، اس موقع پر وہ لوگوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی تیمارداری کرتی تھیں، غزوۂ خیبر میں بھی شریک ہوئیں۔

11ھ میں آنحضرت ﷺ نے انتقال فرمایا، ام ایمن ؓ سخت مغموم تھیں اور رو رہی تھیں، حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت عمر ؓ نے سمجھایا کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے خدا کے پاس بہتر چیز موجود ہے۔ جواب ملا ''خوب معلوم ہے اور یہ رونے کا سبب بھی نہیں، رونے کا اصلی سبب یہ ہے کہ اب وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا، حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت عمر ؓ پر اس جواب کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ بھی ان کے ساتھ مل کر زار و قطار رونے لگے۔ (1)

23ھ میں حضرت عمر ؓ نے وفات شہادت پائی، ام ایمن ؓ کو معلوم ہوا تو بہت روئیں، لوگوں نے کہا اب کیوں روتی ہو؟ بولیں اب اس لئے کہ اسلام کمزور پڑ گیا۔ (2)

وفات:

ام ایمن ؓ نے حضرت عثمان ؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

اولاد:

دو اولادیں ہوئیں، ایمن ؓ اور اسامہ ؓ، ایمن ؓ پہلے شوہر سے تھے، صحابی ہیں، خیبر میں شہادت پائی، اسامہ ؓ آنحضرت ﷺ کے محبوب خاص تھے اور ان کے والد کو بھی یہ درجہ حاصل تھا۔ نہایت جلیل القدر صحابی ؓ تھے۔ آنحضرت ﷺ کو ان سے بے انتہا محبت تھی۔

فضل وکمال:

آنحضرت ﷺ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں۔ راویوں میں حضرت انس ؓ بن مالک، حنش بن عبداللہ صنعانی اور ابویزید مدنی داخل ہیں۔

(1) اصابہ، ج8، ص212، (2) 213 صحیح بخاری، ج1، ص529 میں ایمن ؓ کے متعلق مذکور ہے۔ وھو رجل من الانصار

(1) صحیح مسلم، ج2، ص (2) 341 اصابہ، ج8، ص214 بحوالہ ابن سعد

اخلاق:

آنحضرت ﷺ ان کی نہایت عزت کرتے اور فرماتے تھے کہ "ام ایمنؓ میری ماں ہیں۔" اکثر ان کے مکان پر تشریف لے جاتے، ایک مرتبہ تشریف لائے تو انہوں نے شربت پیش کیا۔ آنحضرت ﷺ (کسی وجہ سے) متردد ہوئے، اس پر ام ایمنؓ ناراض ہوگئیں۔(1) (حضرت ام ایمنؓ کو حضور ﷺ کی پرورش کی وجہ سے حضور ﷺ پر ایک قسم کا ناز تھا۔ یہ خفگی اسی محبت کی خفگی تھی (2)۔)

انصارؓ نے آنحضرت ﷺ کو بہت سے نخلستان دیے تھے، جب بنو قریظہ اور بنو نضیر پر فتح حاصل ہوئی تو آپ نے انصارؓ کو ان کے نخلستان واپس کرنا شروع کیے۔ حضرت انسؓ کے کچھ باغ بھی آنحضرت ﷺ کے پاس تھے اور آپ ﷺ نے ام ایمنؓ کو عطا فرمائے تھے حضرت انسؓ آئے تو ام ایمنؓ نے واپس کرنے سے انکار کر دیا اور اس پر مصر رہیں، آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھ کر ان کو باغ سے 10 گنا زیادہ عطا فرمایا۔(3)

(1) اصابہ، ج 8، ص 214 بحوالہ ابن سعد (2) نووی شرح مسلم (3) صحیح بخاری، زرقانی، ج 3، ص 337)

طب

شہد (Honey)

حکیم ملک عبدالساجد اعوان

شہد کی افادیت کو زمانہ قدیم سے لے کے اب تک تسلیم کیا جاتا رہا ہے اور اس کی ضرورت اور اہمیت ہر عمر اور ہر فرد کے لیے یکساں مفید ہے۔ پاکستان میں اس کی پیدائش تقریباً ملک کے بیشتر علاقوں میں ہوتی ہے۔ شہد کا مزاج گرم تر ہے اس میں پائے جانے والے عناصر درج ذیل ہیں۔ پوٹاشیم، سوڈیم، کیلشیم، پروٹینز، کاربوہائیڈریٹس، فاسفورس، کلورین، میگنیشم، سلفر، کاپر، آئرن۔

شہد کی افادیت:

شہد بلغم کو خارج کرتی ہے۔ جسم کی فاسد رطوبات کو صاف کرتی ہے سدد کو کھولتی ہے۔ استقا، یرقان اور تلی کے بڑھنے کے لیے مفید ہے۔

شہد کا مسلسل استعمال پیاس کو بجھاتا ہے۔ گردہ اور مثانہ کی پتھری کو خارج کرتا ہے۔ اس کے لیے روزانہ پانی میں حل کر کے استعمال کریں۔

معدہ کو تقویت دیتا ہے قوت باہ کو بڑھاتا ہے۔ قوت بصارت کو تیز کرتا ہے۔ انگلی سے دانتوں پر ملنے سے دانت مضبوط ہو جاتے ہیں۔ دانتوں کو صاف کرتا ہے اور ان سے میل کچیل کو ختم کرتا ہے۔ شہد کو سرکہ میں حل کر کے اس سے کلی کرنے سے مسوڑھے مضبوط ہوتے ہیں اور مسوڑھوں کا گوشت پیدا ہوتا ہے۔ پیاز کے ساتھ اس کا استعمال آنکھوں کے درد کو زائل کرتا ہے آنکھوں میں لگانے سے آنکھوں کی کھجلی اور موتیے کے لیے مفید ہے۔ بلغمی کھانسی میں بھی اس کا استعمال موثر ہے۔ کھانسی جس طرح کی بھی ہو کاکڑا سنگھی، ملٹھی، پوست بہیڑہ (جلاکر) برابر وزن لے کر شہد میں ملا کر چٹنی سی بنالیں اور جب بھی کھانسی ہو تو چاٹ لیں۔ انشاء اللہ چند دنوں کے استعمال سے ہر قسم کی کھانسی میں فائدہ ہوگا۔

تازہ پانی کے ساتھ استعمال کرنے سے سینے سے فاسد مواد کو تھوک کے ذریعے خارج کرتا ہے۔ نمک اور انزروت کے ساتھ استعمال کرنے سے اگر کان سے پیپ جاری ہو رہی ہو تو اس کو ختم کرتا ہے۔ کان کے درد میں تسکین دیتا ہے۔ شہد کا استعمال حیض کو جاری کرتا ہے۔ خواتین میں دودھ کی کمی کو پورا کرتا ہے۔ جگر کو قوت دیتا ہے۔ گیہوں کے آٹے کے ساتھ بیرونی طور پر استعمال کرنے سے ورم تحلیل ہو جاتے ہیں۔ زیرہ کے پانی کے ساتھ استعمال کرنے سے دیوانے کتے کے کاٹنے سے پیدا ہونے والے زہر کو زائل کرتا ہے۔ استقا کی حالت میں جب پیٹ میں پانی پڑ جائے اور پیٹ بڑھ جائے۔ تو بیس گرام شہد نصف گلاس پانی میں لگاتار استعمال کرنے سے پیٹ اصلی حالت میں آ جاتا ہے۔

جاری ہے۔

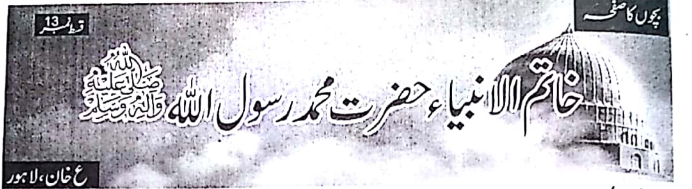

غزوۂ اُحد:

ہجرت کے تیسرے سال جو چند غزوات ہوئے اُن میں سب سے اہم غزوہ اُحد ہے۔

اُحد مدینہ کے شمال مشرقی سمت ایک مشہور پہاڑ ہے۔ اُحد اور مدینہ شریف کے درمیان تقریباً تین میل کا فاصلہ ہے۔ اس کا یہ نام اس کی انفرادیت اور اردگرد کے پہاڑوں سے ممتاز و یکتا ہونے کی وجہ سے رکھا گیا۔ اس غزوہ کا سبب یہ بنا کہ غزوہ بدر میں قریش کے تقریباً ستر کے قریب مشہور سردار اور دیگر معززین مارے گئے جس کا اہل قریش کو شدید غم اور دھچکا لگا ہوا تھا۔ پس اہل قریش نے اس جنگ کی تیاری میں خوب مال خرچ کیا اور شوال کی تقریباً 15 تاریخ کو نکلے۔ اُحد پہاڑ کے سامنے مسلمانوں سے سامنا ہوا۔

مدینہ منورہ سے نبی اکرم ﷺ جب اپنی فوج کے ساتھ نکلے تو ان کی تعداد ایک ہزار تھی۔ راستے میں عبداللہ بن ابی اپنے تین سو منافق ساتھیوں کے ساتھ واپس پلٹ گیا اور اس طرح مجاہدین کی تعداد سات سو باقی رہ گئی جبکہ مشرکینِ مکہ کی تعداد تین ہزار تھی۔ آنحضور ﷺ اُحد پہاڑ کی گھاٹی میں خیمہ زن ہوئے اور آپ ﷺ نے اپنی اور اپنے لشکر کی پشت اُحد کی طرف کر لی۔ صبح کی نماز کے بعد صفیں درست فرمائیں اور تیراندازوں کا ایک گروہ (جن کی تعداد پچاس تھی) ایک چھوٹی بلند پہاڑی پر متعین فرما کر حکم دیا ”تم لوگ ہماری پشت کی حفاظت کرتے رہو تاکہ دشمن ہمارے عقب سے ہم پر حملہ آور نہ ہو سکیں۔ اگر وہ حملہ کریں تو تم ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دینا کیونکہ سوار تیروں کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے جب تک تم اپنی جگہ ثابت قدمی سے جمے رہو گے، ہم غالب رہیں گے۔

جب مقابلہ شروع ہوا تو مشرکین زیادہ دیر تک لڑ نہ سکے اور شکست کھا کر بھاگے۔ یہ دیکھ کر پہاڑ پر موجود تیراندازوں کے دستہ میں سے اکثر یہ سمجھ کر کہ دشمن بھاگ گیا اور اب جنگ ختم ہو چکی ہے، پھر پہاڑی سے نیچے اُتر آئے، اگرچہ تقریباً گیارہ مجاہدین پھر بھی وہاں موجود رہے کہ جب تک آپ ﷺ کا حکم نہ آیا ہم یہیں ٹھہرے رہیں گے۔

اسی دوران شکست کھا کر بھاگتے ہوئے دشمن نے پلٹ کر دیکھا تو اوپر پہاڑی کے خلا میں اُن کو بہت کم تیرانداز نظر آئے۔ انہوں نے پلٹ کر پہاڑی کی طرف سے حملہ کر دیا۔ مسلمان مجاہدین اس حملہ کے لئے تیار نہ تھے اس لئے مسلمانوں کو نقصان اٹھانا پڑا، ستر (70) کے قریب صحابہ کرامؓ شہید اور بہت سے زخمی ہوئے۔ اس دوبارہ حملے میں نبی اکرم ﷺ کو چوٹ لگی اور آپ کا دانت مبارک شہید ہو گیا۔ تمام مسلمان مجاہد جلد ہی سنبھل گئے اور مسلمان مجاہدین نبی اکرم ﷺ کو ایک حلقے میں لے کر جیسے سیسہ پلائی دیوار بن گئے پھر انہوں نے ڈٹ کر کفار کا مقابلہ کیا، کفار دوبارہ شکست کھا کر بھاگے۔ اس دفعہ مسلمانوں نے چند کلومیٹر تک (مقام) بھاگتے ہوئے دشمن کا پیچھا کیا اور اُن کو دور پہنچا کر آئے۔

غزوۂ اُحد میں ایک صحابیہؓ حضرت نسیبہؓ (ام عمارہ) کی بہادری خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ان کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے انہیں دیکھا (بقیہ صفحہ نمبر 16)

....

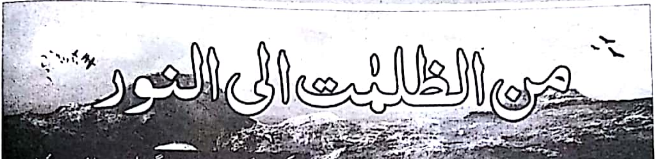

من الظلمت الی النور

ڈاکٹر عمر حیات گوندل، منڈی بہاؤالدین

میرا تعلق صوبہ پنجاب اور صوبہ سرحد کے سنگم پر واقع ایک گاؤں سے ہے۔ جبکہ میرا ننھیال اٹک کا ایک گاؤں ہے۔ میرا ننھیال اور ددھیال ایک ہی خاندان ہیں۔ میرا علاقہ کے مشہور کھٹڑ خاندان سے تعلق ہے۔ والد صاحب نیوی سے ریٹائر ہو کر 1981 میں بیرون ملک روزگار کے سلسلہ میں چلے گئے۔ تب ہم لوگ واہ کینٹ رہائش پذیر ہو گئے۔ واہ کینٹ چونکہ ہمارے دونوں گاؤں سے بہت قریب تھا اس لئے واہ کینٹ کو رہائش کیلئے منتخب کیا گیا۔ میرے ننھیالی خاندان میں اکثریت جرائم پیشہ لوگوں کی ہے۔ کئی نسلوں سے قتل وغارت گری میں مشہور ہیں۔ بہت چھوٹی عمر میں جب ذرا ہوش سنبھالا تو لوگوں کو اپنے متعلق "خان جی" کا تعظیمی صیغہ استعمال کرتے دیکھا تو دل میں تکبر اور بڑائی کا پودا لگ گیا۔ جو وقت اور حالات کے ساتھ خوب پھلا پھولا۔ میٹرک کافی اچھے نمبروں سے پاس کیا۔ والدین کی بہت کوشش تھی کہ تعلیمی سلسلہ جاری رکھوں تقریباً چھ مختلف کالجز میں داخلہ لیا مگر کہیں سے اپنی حرکتوں کی وجہ سے نکال دیا گیا اور کسی کالج کو خود چھوڑ دیا۔ کالج میں داخل ہوتے ساتھ ہی برائی کی دنیا میں داخل ہو گیا۔ شراب نوشی، چرس اور دیگر برائیوں میں گرفتار ہو گیا۔ والد صاحب سر پر موجود نہیں تھے پیسے کی کوئی کمی نہیں تھی۔ اگر ضرورت سے کم ملتے تو گھر سے چرا لینا اپنا حق سمجھتا تھا۔ نشہ جو بطور شوق شروع کیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ جان کا روگ بن گیا۔

میٹرک کے ساتھ ہی استعمال کیلئے اپنی ذاتی گاڑی بھی مل گئی اور رہی سہی کسر گھر کی اوپری منزل پر موجود خالی کمروں نے پوری کر دی۔ پوری رات شراب اور چرس کا نشہ کرتا اور وی سی آر پر فلمیں دیکھتا رہتا۔ اور دن چڑھے سو جاتا۔ علاقہ کے تمام نام نہاد صاحبزادگان سے میری دوستی تھی جو بہت اچھے خاندانوں کے سپوت تھے لیکن انتہائی بے راہ روی کا شکار تھے۔ میں اپنی جوانی کو دونوں ہاتھوں سے تباہ کر رہا تھا۔ کئی مرتبہ نشہ سے بچاؤ کے لیے ہزاروں روپے خرچ کر کے علاج بھی کروایا مگر کچھ ہی دنوں بعد پھر سابقہ روش اختیار کر لی۔ سونے پہ سہاگہ یہ ہوا کہ والد سے ضد کر کے رقم لی اور شہر کے مرکزی علاقہ میں ایک سنوکر کلب بنا ڈالا۔ سنوکر کلب میں ایک کیبن شراب وکباب کیلئے مخصوص تھا۔ اب دن کا جو حصہ تھا وہ سنوکر کلب میں شراب وکباب کی نذر ہو جاتا۔ اور رات گئے تک اپنے کمرے میں شغل جاری رہتا۔ سنوکر میں شرط لگا کر جوا بھی کھیلنا شروع کر دیا۔ گھر والوں نے تقریباً مجھ سے بات چیت بند کر دی تھی۔ میرا بھی گھر کے ساتھ واجبی سا تعلق رہ گیا تھا۔ صرف میری والدہ تھیں جو میری حالت پر کڑھتی رہتی تھیں۔ غرضیکہ کوئی بھی معاشرتی اور اخلاقی برائی ایسی نہ تھی جو مجھ میں بدرجہ اُتم موجود نہ ہو۔ کچھ عرصہ بعد دورہ پڑتا کہ یہ سب کچھ چھوڑ دینا چاہئے۔ روزانہ رات تہیہ کر کے سوتا کہ کل سے سب چھوڑ دوں گا مگر اگلی صبح چرس سے بھرا ہوا سگریٹ میرا ناشتہ ہوتا۔ میری زندگی کا یہ تاریک دور 1992 سے شروع ہوا اور دسمبر 1999 تک جاری رہا کسی نے والدین کو یہ مشورہ دیا کہ اس کی شادی کر دو ٹھیک ہو جائے گا۔ آخر کار اپریل 1998 کو میری شادی ماموں کی بیٹی کے ساتھ کر دی گئی۔ اب یہ ایک اور مصیبت تھی جو میرے گلے پڑ گئی تھی۔ میری راتوں کا تو ایک معمول بن چکا تھا میں راتیں شراب کے نشے اور فلمی اداکاراؤں کے ساتھ گزارنے کا عادی تھا۔ بیوی کو رات میں کیسے برداشت کرتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بیوی کے ساتھ تعلقات اس حد تک خراب ہو گئے کہ علیحدگی تک نوبت آ گئی۔ ماں اور

بہنیں رو رو کر میرے آگے التجائیں کرتیں کہ باز آجاؤ مگر میرے سامنے رشتوں اور قدروں کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ گھر والے سمجھتے تھے کہ مجھ پر کسی نے کالا جادو کر دیا ہے۔ جبکہ میں خود اس حد تک غلیظ ہو چکا تھا کہ کالا جادو بھی مجھ سے کوسوں دور بھاگتا تھا۔ بہت سے سیاہ کرتوت ایسے بھی ہیں جو آج قلمبند کرنے کا مجھ میں حوصلہ نہیں ہے۔ ظلمتوں اور پستیوں کی طرف میرا سفر بہت تیزی سے جاری تھا۔ قریب تھا کہ میرا یہ سفر سجّین میں جا کر اختتام پذیر ہوتا۔ میری زندگی میں ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے میری کایا پلٹ دی دسمبر 1999 میں میرے خاندان میں ایک ایسا واقعہ ہوا کہ جس کی خبر پورے علاقہ میں پھیل گئی۔ پولیس میں مقدمہ درج ہوا۔ خاندان والوں اور لوگوں کی نظریں سوالیہ انداز میں میری جانب اٹھنے لگیں کیونکہ میں اس واقعہ کے عینی شاہدین میں سے تھا۔ میں نے سوچا کچھ عرصہ کیلئے روپوش ہو جاؤں۔ لیکن آخر جاؤں کہاں؟

میرے تایا میجر احمد خان ؒ جن کے گھر میں اکثر جایا کرتا تھا۔ وہاں باریش اور مولوی قسم کے لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ گاہے گاہے تایا جی مجھ پر بھی اپنی دعوت کے حربے آزماتے رہتے تھے مگر میں کب ان کے قابو میں آنے والا تھا۔ میجر احمد خان ؒ رمضان کے آخری عشرہ میں چکوال میں کسی جگہ اعتکاف کیلئے جایا کرتے تھے۔ 25 دسمبر 1999 کو پولیس میں مقدمہ درج ہوا اور اس کے دو یا تین دن بعد میں میجر احمد خان ؒ کی ہمراہی میں چکوال کے گاؤں منارہ کی جانب عازم سفر تھا۔ جہاں اِن کے بقول اُن کے پیر صاحب رہتے تھے اور بہت برکتوں اور رحمتوں کا نزول ہوتا تھا۔ لیکن مجھے اس سب سے غرض نہیں تھی میں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا تھا۔ 10 دن کیلئے مجھے منہ چھپانے کی جگہ مل رہی تھی اور ساتھ ہی تایا جی پر احسان عظیم بھی کر دیا تھا۔ چرس کی اچھی خاصی مقدار میرے پاس تھی جو کہ مختلف حصّوں میں تقسیم کر کے ایک دوست کے حوالے کر آیا تھا کہ باقی دوستوں تک پہنچا دے ورنہ وہ لوگ رات میں پریشان ہوں گے۔ ہم لوگ منارہ کی طرف براستہ راولپنڈی روانہ ہوئے۔ تایا جی گاڑی چلا رہے تھے لیکن راستہ بھر وہ مجھے اپنے پیر صاحب کے قصے سناتے رہے اور میں بادل نخواستہ سنتا رہا اور سر دھنتا رہا تاکہ تایا جی خوش ہو جائیں۔

عصر سے کچھ دیر پہلے ہم لوگ دارالعرفان منارہ پہنچے۔ مسجد کی اوپری منزل میں جا کر بستر لگایا۔ وضو کیلئے پانی کے لوٹے بھرے۔ اب مسئلہ تھا وضو کیسے کروں میں تو عرصہ ہوا مسجد گیا ہی نہ تھا وضو کرنے جو بیٹھا تو پتہ چلا کہ طریقہ وضو بھول چکا ہوں۔ قریب بیٹھے ایک مولوی قسم کے آدمی کی نقالی کرتے ہوئے وضو کیا۔ اور مسجد میں آ گیا۔ مغرب کی اذان کے ساتھ ہی مسجد کے برآمدے میں افطاری کا اہتمام تھا۔ سادہ سی افطاری ایک پکوڑہ اور ایک کھجور حصّہ میں آئی ہوگی۔ نماز کے فوراً بعد کھانے کی آواز لگی۔ برآمدے ہی میں کھانے کا بندوبست تھا۔ شوربے والی دال اور مکئی کی روٹی سے مشابہت رکھتی گندم کی ایک روٹی ملی جو کچھ نوالوں کے بعد ہی رکھ دی۔ جبکہ ارد گرد بیٹھے لوگ بہت انہماک سے وہ شوربہ نما دال کھا رہے تھے اور انگلیاں بھی چاٹ رہے تھے۔ جبکہ میں اپنے فیصلہ پر پچھتا رہا تھا کہ یہ کیا غلطی کر بیٹھا ہوں۔ یہاں تو 10 روز گزارنے بہت مشکل ہوں گے۔ اللہ والوں کی قربت سے فرار کے مختلف منصوبے ذہن میں آنا شروع ہو گئے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اللہ والے اپنے پاس آنے والوں کو پھر جانے نہیں دیتے بلکہ ایک بار اللہ کے روبرو ضرور کر دیتے ہیں۔ کھانے کے بعد مسجد کے اندر سے آواز آئی کہ ساتھی آجائیں ذکر شروع ہونیوالا ہے۔ بوجھل قدموں کے ساتھ اٹھا اور ایک صف میں جا کر بیٹھ گیا۔ بمشکل ذکر ختم کیا تو مراقبات ہونے لگے۔ ذکر کے بعد پیر صاحب کے کمرے کے قریب سے کسی شخص کے ہچکیوں سے رونے کی آواز آنے لگی۔ کچھ ہی دیر بعد لائٹ آن ہوگئی تو دیکھا کہ سب لوگ ایک شخص کو گلے مل کر مبارکباد دے رہے ہیں۔ اور وہ زاروقطار رو رہا ہے۔ میرے لیے زندگی کا یہ رخ بالکل نیا تھا۔ قریب موجود کسی شخص سے اس آدمی کے رونے کی اور اسے مبارکباد دینے کی وجہ پوچھی تو پتہ چلا کہ ان صاحب کی روحانی بیعت ہوئی ہے۔ مجھے تو ظاہری بیعت کا علم بھی نہیں تھا مزید استفسار پر پتہ چلا کہ روحانی بیعت

نبی کریم ﷺ کے دست اقدس پر ہوتی ہے۔ میں نے اس شخص کو دیکھا اور کچھ سوچتے ہوئے صف میں آ کر بیٹھ گیا۔ قدرت مجھ پر مہربان تھی وہ شخص بھی میرے ساتھ آ کر بیٹھ گیا۔ عشاء کی نماز کا وقت قریب تھا میں نے اس شخص کو مبارکباد دی اور ساتھ میں یہ بھی کہا کہ میرے لیے بھی دعا کریں کہ میں نشے کی لت چھوڑ دوں اور مجھے بھی دردِ دل مل جائے۔ جیسے تمھاری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں میری آنکھوں سے بھی بہیں۔ عشاء کے بعد اوپر والی منزل میں سونے کیلئے چلے گئے۔ دن کا تھکا ہوا تھا جلد ہی سو گیا رات تقریباً ساڑھے تین بجے تہجد کے لئے جگایا گیا تو دل کی دنیا تبدیل ہو چکی تھی۔ نور نبوت ﷺ کی وہ کرن جس نے عمر بن خطابؓ کو عمر فاروقؓ بنا ڈالا تھا اس کا کوئی کروڑواں ذرہ مجھے بھی حضرت شیخ المکرم مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کے قلب سے نصیب ہو چکا تھا۔ ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کبھی کوئی غیر شرعی کام کیا ہی نہ ہو۔ اگلے دن یا اس سے اگلے دن جمعہ تھا۔ حضرت شیخ المکرم مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی جمعۃ المبارک کے بیان کیلئے مسجد میں تشریف لائے تو دل کو اک قرار سا مل گیا۔ حضرت شیخ المکرم کے بیان پر آنکھیں بار بار بھیگ جاتی تھیں۔ درد دل کی دعا لگتا تھا کہ قبول ہو گئی ہے۔ اعتکاف کے باقی دن بھرپور گزارے یوں لگنے لگا کہ گذشتہ آٹھ سالہ دور جیسے میری زندگی میں آیا ہی نہ ہو۔ اسی جمعۃ المبارک میں ظاہری بیعت کی سعادت بھی ملی۔

قبل ازیں مختلف اہل اللہ کے واقعات پڑھے تھے کہ جی اہل اللہ کی صحبت میں جائیں تو وہ لکڑیاں کاٹنے جنگل میں بھیج دیتے ہیں۔ بیس سال خدمت کرنی پڑتی ہے۔ تب کہیں جا کر گوہر مقصود ہاتھ آتا ہے۔ مگر یہاں تو صورت حال بالکل مختلف تھی۔ میں نے لوگوں کو دیکھا ہے ہارٹ اٹیک ہوا، ڈاکٹر نے سگریٹ سختی سے منع کر دیئے مگر چھوٹیں کیسے یہ تو رگ و پے کا حصہ بن گئے ہیں۔ جان چلی جاتی ہے مگر سگریٹ تک نہیں چھوٹتے۔ مگر یہاں تو الحمد اللہ ایک رات میں اللہ کریم نے سب کچھ چھڑا دیا۔ کوئی تگ و دو نہیں کرنا پڑی جو کچھ بھی ہوا رات سوتے میں ہوا۔ اعتکاف کے دن گزار کر واپس لوٹا عید کی رات عشاء کی نماز پڑھ کر مسجد کی سیڑھیاں اتر رہا تھا کہ دوستوں نے گھیر لیا انہیں دیکھتے ہی آنکھ سے آنسو بہنے لگے۔ دل کا درد آنکھوں کے راستے جاری ہو گیا۔ دوستوں کو بھی سمجھایا کہ یار چھوڑ دو یہ سب کچھ، ایک اور نشہ ہے اللہ کے ذکر کا، اس کی لذت ہی نرالی ہے۔ وہ میری حالت دیکھ کر کھسک گئے کہ تازہ تازہ مولویوں کی صحبت میں رہ کر آیا ہے ایک دو دن میں ٹھیک ہو جائے گا۔ مگر میں تو خراب ہو چکا تھا دردِ دل کے ہاتھوں۔

کچھ ہی دنوں بعد میجر احمد خانؒ کے ہمراہ جمعہ کی ادائیگی کیلئے دارالعرفان منارہ جانے کا اتفاق ہوا۔ میرا ایک دوست تصدق بھی ساتھ تھا یہ دوست بعد میں تعلیم کیلئے انگلینڈ چلا گیا اور آج کل گوجر خان میں اپنا پرائیویٹ سکول چلا رہا ہے۔ تصدق ریاض احمد گوہر شاہی کا معتقد بھی تھا۔ راستے میں وہ کہنے لگا کہ گوہر شاہی کسی پر ایک نگاہ ڈال دے تو وہ پاگل ہو جاتا ہے۔ میجر احمد خانؒ بولے بیٹا یہ تو کوئی کمال نہیں کمال تو یہ ہے کہ کوئی کسی پاگل پر نگاہ ڈالے تو اسے صاحب خرد بنا دے۔ گذشتہ سفر میں میجر صاحب کی باتیں میرے سر پر سے گزرتی رہی تھیں مگر اب جو درد دل ملا تو سمجھ آئی کہ کمال تو یہی ہے۔

دارالعرفان پہنچے جمعۃ المبارک کے بیان میں حضرت شیخ المکرم مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی بیان کرتے ہوئے اچانک موضوع سے ہٹے اور فرمانے لگے ہمارے پاس تو وہ لوگ بھی آتے ہیں جو ایک رات میں 10 سگریٹ چرس پیئے بغیر سوتے نہیں تھے ہم نے انھیں ذکر اللہ کے نشے پر لگا دیا ہے۔ طبیب مریض کی کیفیت جان چکا تھا۔ واضح اشارہ میری طرف تھا۔ میرے دوست تصدق نے مجھے کہنی ماری جیسے کہہ رہا ہو تیرا ہی ذکر خیر ہوا تھا محفل میں ابھی۔

دارالعرفان میں اعتکاف کے دوران ہشت روزہ کورس کی تیاری کرتے ہوئے سورۃ المومنون کی یہ آیت نظر سے گزری "والذین

هُم عن اللغو معرضون" ترجمہ" اور جو بیہودہ باتوں سے اعراض کرتے ہیں "اسکی تفسیر حضرت شیخ المکرم کی زبانی دیکھی لکھتے ہیں "یہ دونوں باتیں جمع نہیں ہوسکتیں کہ اللہ کا حضور بھی نصیب ہو اور فضولیات کی طرف بھی توجہ ہو لہٰذا وہ خرافات سے کٹ جاتے ہیں۔ بے فائدہ اور لغو کام اسے کہتے ہیں جس کام پہ سرمایہ بھی لگے وقت بھی لگے اور محنت بھی لگے اور اس کا حاصل کچھ بھی نہ ہو اس پہ سرمایہ لگاؤ تو اس کا نقصان، محنت لگاؤ تو اس کا نقصان، اور وقت لگاؤ تو اس کا نقصان، تب ہی سے دل میں تہیہ کیا کہ سنوکر کلب کا قبیحہ کاروبار چھوڑ دوں گا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ اور کوئی ذاتی کاروبار بھی نہیں تھا۔ اللہ کی مدد شامل حال ہوئی اور درددل نے وہ توت پیدا کر دی کہ واپس آکر کلب گیا ہی نہیں۔ خود سنوکر کا بہت اچھا کھلاڑی تھا اپنے شہر میں ہونیوالے مقابلہ میں ٹرافی اور نقد انعام بھی حاصل کر چکا تھا۔ اپنی ذاتی سنوکر سٹک، جو بہت قیمتی تھی اور بہت دور سے منگوائی تھی۔ وہ بھی توڑ دی کہ اگر کسی اور کو دی تو وہ لغویات میں مشغول ہوگا۔ بڑے بھائی سے کہہ دیا کہ میرا کلب سے کوئی واسطہ نہیں اِسے اونے پونے داموں بیچ دو۔ بھائی نے تقریباً3 لاکھ کے عوض کلب کا سامان فروخت کر دیا۔ مگر دل نے وہ رقم لینا گوارہ نہ کی اور ایک بار بھی بھائی سے اس رقم کا تقاضا نہ کیا۔ دل میں اک خواہش تھی کہ اللہ کرے سنوکر کا یہ سامان کوئی اور بھی استعمال نہ کرے الحمدللہ، اللہ نے وہ خواہش بھی پوری کی سنوکر کا وہ سامان دوبارہ استعمال نہیں ہوا۔ درددل نے عملی زندگی تبدیل کرنا شروع کر دی تھی۔

اسی اثناء میں نفاذ اسلام کے لئے حضرت شیخ المکرم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی نے تربیتی کیمپ مختلف مقامات پر شروع کروائے۔ مجھے بھی ساتھیوں کے ساتھ تقریباً40 روز کوٹلی آزاد کشمیر میں سخت سردی میں رہنے کی سعادت ملی۔ درددل خوب کام آیا سخت سردی اور برف میں ذکراللہ کی حدت محسوس کی۔

2001 میں حضرت شیخ المکرم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کے حکم پر نفاذ اسلام کے لیئے منارہ کے گردونواح کی پتھریلی زمین پر ایک خیمہ بستی آباد کی گئی۔ خیمہ بستی میں گزرا جانے والا وقت ایک علیحدہ باب ہے۔ رمضان المبارک کی مبارک ساعتیں، مجاہدہ، حضرت شیخ المکرم کی توجہ، درددل اپنے عروج پر تھا۔ الحمداللہ بیشار لوگوں کو خیمہ بستی میں روحانی بیعت کی سعادت نصیب ہوئی۔ دوسرے نمبر پر جو بیعت ہوئی وہ اسی ناکارہ روزگار کی تھی۔ درددل نے کہاں سے کہاں لاکھڑا کیا۔ مجھ جیسے گنہ گار کے لیے تو اس نعمت کا تصور بھی محال تھا۔ الحمداللہ رمضان المبارک شروع ہونے سے پہلے منارہ پہنچ گیا سب سے پہلا خیمہ لگانے والے افراد میں، میں بھی شامل تھا اور عید کی نماز حضرت شیخ المکرم مدظلہ العالی کی اقتداء میں پڑھ کر منارہ سے واپسی ہوئی۔

نماز کیلئے گھر کے قریب واقع مسجد میں جایا کرتا تھا ادھر بچے قرآن کریم حفظ کیا کرتے تھے ادھر ہی بچوں کے ساتھ بیٹھ کر صبح کی نماز کے بعد قرآن مجید یاد کرنا شروع کیا اور الحمداللہ آخری سات پارے حفظ کر لئے۔ بعد میں غم روزگار کی وجہ سے یہ سلسلہ مکمل نہ ہوسکا مگر دل سے دعا ہے کہ اللہ کریم اسے مکمل کرنے کی سعادت نصیب فرمائیں۔

اہلیہ کے ساتھ تعلقات بہت اچھے ہوگئے۔ کالا جادو درددل کے ہاتھوں مغلوب ہوکر جا چکا تھا۔ آج الحمداللہ میرا ایک بھتیجا حافظ قرآن ہے۔ میرا دوسرا بھتیجا اور بیٹا تقریباً22 پارے حفظ کر چکے ہیں۔ درددل نے اپنا دائرہ کار بڑھانا شروع کر دیا ہے۔ مطالعہ کا شوق شروع سے تھا۔ کہاں میں جو وضو کا طریقہ بھی بھول چکا تھا اور کہاں آج بارہ سال بعد میرے پاس موجود قرآن کریم کی تفاسیر کی تعداد 19 کے قریب ہے۔ یہ سب اس نگاہ کا کمال ہے جو بدل دیتی ہے تقدیریں۔

گزشتہ سال اٹک سے واپسی پر گاڑی میں سلسلہ عالیہ کے صاحب مجاز بزرگ حافظ غلام قادری صاحب سے اپنی گذشتہ زندگی کے

حوالہ سے سرسری بات ہوئی توانھوں نے کہا کہ اپنی آپ بیتی لکھ کر المرشد کیلئے بھیج دو یہ بہت سے لوگوں کیلئے فائدہ مند ثابت ہوگی۔ کافی کشمکش کا شکار رہا کہ لکھوں یا نہ لکھوں۔ مگر آج جناب حافظ غلام قادری صاحب کی ہدایت پر اس لیے لکھ رہا ہوں کہ یہ میری تاریک زندگی کا اعتراف نہیں ہے اور نہ ہی آپ حضرات کو اپنی سابقہ زندگی کا گواہ بنانا مقصد ہے بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ شاید کوئی قاری مجھ جیسے حالات کا شکار ہو اور وہ بھی اس ہستی تک پہنچ جائے جس پر اللہ کریم نے یہ احسان کیا کہ وہ اک نگاہ میں کسی شخص کے وجود کے ذرے ذرے کو ذکر اللہ سے منور کر سکتی ہے۔

ایسی سینکڑوں زندہ داستانیں حضرت شیخ کے متوسلین سے مل سکتی ہیں۔ بلکہ سلسلہ عالیہ سے وابستہ ہر شخص کی اپنی ہی اک کہانی ہے۔ لیکن میرے لیے کسی کا بدلنا معنی نہیں رکھتا۔ میرے لیے تو اہمیت اس امر کی ہے کہ مجھ میں کیا تبدیلی واقع ہوئی اگر ساری دنیا منارہ جا کر بدل جائے اور میں نہ بدلوں تو مجھے کیا فائدہ۔ آج اگر کوئی مجھ سے پوچھے تو میں تو اسے ہی حضرت شیخ المکرم مدظلہ العالی کی سب سے بڑی کرامت کہوں گا کہ مجھ سے گنہ گار کو دین سے وابستہ کر دیا۔ آج میں بہت اعلیٰ پایہ کا صوفی، بہت نیک اور پارسا نہیں ہوں مگر الحمد اللہ اتنا ضرور ہے کہ لوگ مجھے نیک سمجھتے ہیں۔ مسجد میں اگر امام صاحب موجود نہ ہو تو مجھے نماز کی امامت کیلئے آگے کر دیا جاتا ہے ہمارے آفس میں بھی باجماعت نماز ہوتی ہے تو احباب مجھ گنہ گار کو ہی امامت کیلئے آگے کرتے ہیں۔ اللہ کریم سے دعا ہے کہ وہ لوگوں کے گمان کو سچ کر دکھائیں جو وہ میرے بارے رکھتے ہیں اور مجھے حقیقی معنوں میں نیک بنا دیں۔ آمین

بارہ سال کا عرصہ گزر چکا سلسلہ عالیہ کے ساتھ منسلک ہوئے اس عرصہ میں درد دل کی مختلف کیفیات رہیں کبھی یہ اتنے عروج پر بھی گیا کہ دل میں یہ خیال آتا تھا کہ اگر مٹی کو ہاتھ لگاؤں تو سونا بن جائے اور کبھی یہ درد دل اتنا کم بھی ہوا کہ ختم ہونے پہ آ گیا۔ مگر اللہ کریم نے استقامت عطا فرمائی۔ زندگی میں آنے والے بے شمار اتار چڑھاؤ بھی حضرت شیخ المکرم مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی اور سلسلہ عالیہ کے ساتھ میرے قلبی تعلق کو کم نہ کر سکے اسی کا نتیجہ ہے آج یہ سطور لکھنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔

آج بھی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ کے روحانی مرکز دارالعرفان منارہ سے پوری دنیا کیلئے یہ صدائے عام بلند ہو رہی ہے۔ ہے کوئی جو درد دل کا متلاشی ہو، ہے کوئی جو برکاتِ نبوی ﷺ کے حصول کی جستجو رکھتا ہو، ہے کوئی اپنے قلب کو اللہ کے نام سے منور کرنے کی خواہش رکھنے والا، ہے کوئی ایسا جو چاہتا ہو کہ میرے جسم کا رواں رواں بھی اللہ اللہ کرے تو وہ ایک بار حضرت شیخ المکرم مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی خدمت میں ضرور حاضر ہو۔ طلب صادق کے ساتھ آئے گا تو خالی نہیں لوٹے گا۔ انشاء اللہ

دارالعرفان منارہ میں جولائی سے اگست تقریباً 40 روز اور اعتکاف کے 10 روز برکات و کیفیات سے بھرپور ہوتے ہیں۔ حصول برکات کے خواہش مند حضرات ان ایام میں سے کچھ وقت نکال کر ضرور حاضر ہوں۔

دعا ہے کہ اللہ کریم حضرت شیخ المکرم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کے زیرِ سایہ نفاذ اسلام کیلئے کی جانے والی جدوجہد میں مجھ گنہگار کو بھی قبول فرمالیں اور غزوۃ الہند کے شہداء میں میرا بھی شمار ہو۔ حضرت شیخ اور سلسلہ عالیہ کے ساتھ تعلق تادم مرگ اور برزخ میں بھی قائم رہے۔ آمین ثم آمین

....

مساعی جمیلہ

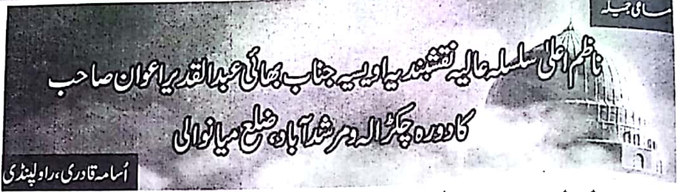

ناظم اعلیٰ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ جناب بھائی عبدالقدیر اعوان صاحب کا دورہ چکڑالہ و مرشد آباد، ضلع میانوالی

اُسامہ قادری، راولپنڈی

گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

بہار و خزاں موسموں کے تغیر و تبدیلی کی طرح قوموں کو بھی عروج و زوال سے گزرنا پڑتا ہے۔ ایسے ہی نیکی بدی، حق و باطل کا مقابلہ بھی ازل سے چلا آرہا ہے۔ زمین و آسمان کے اس نظام میں حق و باطل کا اہم کردار ہے۔ حق کو قوت دینے کے لئے وقتاً فوقتاً انبیاء و رسل تشریف لاتے رہے اور جب بھی باطل قوتیں حق پر غالب آنے لگیں تو ربِ کریم نے اسی حساب سے انبیائے کرام اور اولوالعزم رسول بھیجے۔ دورِ جہالت میں انسانیت پستی میں گری اور ظلم و ستم عام ہوا تو امام الانبیاء ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ کے وجودِ عالی کی برکت اور کاوشوں سے خیر القرون میں حق نے باطل کا سر کچل کر رکھ دیا۔

مرورِ زمانہ کا یہ اثر ہوا کہ آہستہ آہستہ آج ہم دورِ جاہلیت کے ظلم و ستم کے نمونے پھر سے دیکھ رہے ہیں۔ قتل و غارت گری پھر سے عام ہے اور ہر کوئی غیر محفوظ ہے۔ نظامِ کائنات چلانے والے خالق و مالک نے سسکتی انسانیت کی فلاح کے لئے یقیناً بروقت کوئی نہ کوئی بندوبست کر رکھا ہوتا ہے کہ انبیائے کرام کے بعد اہل اللہ اور اولیائے کرام کو بھی ان اوصاف سے نواز کر پھر سے حق کی سربلندی کا سبب بنا دیتا ہے۔ ماضی قریب میں جس ولی کامل سے اللہ کریم نے یہ کام لیا، وہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ کے شیخ، حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ جو میانوالی کے قصبہ چکڑالہ کے باسی تھے، جن کو اللہ کریم نے وہ منصب اور منازلِ تصوف کی بلندی نصیب فرمائی جو پہلے صوفیاء کرام کو نہیں ملی، یہ مناصب و منازل جو کائنات کے نظام کو متوازن رکھنے کے لئے عطا کیے جاتے ہیں، ہر دور کی ضرورت ہے۔ آپؒ نے دور دراز کی اس پسماندہ بستی میں اللہ اللہ کی صدا لگائی، جس کا آج یہ اثر ہوا کہ اس آواز کی گونج کو دنیا کے گوشے گوشے میں آپؒ کے جانشین حضرت شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی نے پہنچا دیا جو کہ پھر سے ایمان و یقین کی قوت سے دلوں کو ایک نئی حرارت عطا کر رہی ہے۔

پھر سے دیوانے تیرے ہوں گے جنون میں مبتلا
موڑ کے رکھ دیں گے پہیہ گردشِ ایام کا
(سیماب)

حضرت اعلیٰؒ کا فرمان ہے کہ آج جنید و بایزیدؒ تو نہیں پیدا ہوں گے لیکن کچھ لوگ ایسے ضرور ہوں گے جن کے کردار کو دیکھ کر لوگ کہہ سکیں گے کہ مسلمان ایسے ہوتے تھے۔ نیز فرمایا، میں سنگ ریزے اکٹھے کر رہا ہوں، ان میں کچھ ہیرے بھی نکلیں گے۔ دنیا والوں کی عادت چلی آرہی ہے کہ جب کبھی حق کا سورج طلوع ہوا، انہوں نے ظلمتوں میں رہنا پسند کر کے اس حق کی مخالفت کی۔ مکہ والوں کو محمد بن عبداللہ سے محمد رسول اللہ ﷺ کے پہچاننے کے سفر میں بیس اکیس سال لگ گئے۔ کچھ یہی صورت چکڑالہ کے باسیوں کی بھی ہوئی۔ فروری 1984ء میں حضرتؒ نے وصال فرمایا۔ آپؒ نے 38 سال برکاتِ نبوت ﷺ کی تعلیم فرمائی۔ 30 سال بعد آپؒ کے رفقا کے علاوہ اب نوجوانوں نے ان فیوضات کو حاصل کرنے کی محنت شروع کی ہے۔

ڈھلی کے قاضی نور محمد کی لگاتار محنت سے کچھ ساتھی تلہ گنگ اجتماع میں شرکت کرنے آتے ہیں۔ فروری 2014ء کے ماہانہ اجتماع میں نئے نوجوانوں نے بیعت کی اور حضرت امیر المکرم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت مدظلہ العالی کو اپنے عظیم مرتبہ محسن شیخ کے علاقے

کے باسیوں سے مل کر خوشی ہوئی اور وہاں ذکر اللہ کی مزید محنت کرنے کا حکم دیا۔ جس کے بعد ناظم اعلیٰ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ، صاحبزادہ ملک عبدالقدیر اعوان 8 مارچ 2014ء کو وہاں خود تشریف لے گئے۔ مزید خوشی کی بات یہ ہے کہ حضرتؒ کے پوتے عبدالباسط جو مرشد آباد میں حضرتؒ کے مزار مبارک کے قریب قیام پذیر ہیں، انہوں نے سب ساتھیوں کی میزبانی کی اور اس محنت میں اپنی کاوشوں سے حصہ ڈالا اور اس محنت کو جاری رکھنے کا عزم کیا۔

قدیمی مسجد میں نمازِ ظہر کے بعد ایمان افروز کیفیات والا بیان ہوا، جس میں حضرتؒ کی دینی کاوشوں، دین کے لئے آپؒ کی ریسرچ اور منکرین حدیث، حیات برزخیہ کے دلائل پر مبنی کتب کے تذکرے اور کردار سازی پر محنت کا تذکرہ ہوا۔ بیان اور ذکر نے اس بستی میں پھر سے ان لمحات کی یاد تازہ کر دی۔ یہ محفل ذکر قلبی پر ختم ہوئی۔

حضرتؒ کی محبت میں راولپنڈی ڈویژن اور سرگودھا ڈویژن کے امراء اور بہت سے ساتھیوں نے اس پروگرام میں شرکت کی۔ ٹی وی چینل 5 کی ٹیم بھی اس موقع پر موجود تھی۔ صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان صاحب نے ساتھیوں کے ہمراہ چٹی مسجد، جہاں حضرت اعلیٰؒ خطبہ دیا کرتے تھے، کا دورہ کیا۔ مسجد سے ملحقہ مدرسہ کے قاری صاحب نے ناظم اعلیٰ کو وہاں پر جاری کاوشوں کے بارے میں تفصیلات سے آگاہ کیا۔

پروگرام کے آخر میں ناظم اعلیٰ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ جناب بھائی عبدالقدیر اعوان صاحب نے مرشد آباد، حضرت اعلیٰؒ کے مزار پر ذکر کروایا اور نمازِ عصر کے بعد واپسی کے لئے عازمِ سفر ہوئے۔ شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی نے فون پر ناظم اعلیٰ سے رابطہ کیا اور پروگرام سے متعلق تفصیلات سے آگاہی حاصل کی۔

گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را

اللہ کریم نے مہربانی فرمائی ہے کہ مرشد آباد کے گرد حلقہ ذکر قائم ہیں۔

فلسطین

پچھلے چند ہفتوں سے اسرائیلی یہودیوں کی غزہ کے مسلمانوں پر بمباری جاری ہے۔ تقریباً دو ہزار کے قریب نہتے شہریوں کو جن میں بوڑھے، عورتیں اور معصوم بچے شامل ہیں کو شہید کر دیا گیا ہے اور لاتعداد زخمی ہیں۔ اُن کے گھروں، سکولوں، ہسپتالوں اور مساجد کو زمین بوس کیا جا رہا ہے۔ درندگی کے اس کھیل میں اقوام عالم اور عالمی ادارے خاموش تماشائی ہیں۔ اور مسلم اُمہ چپ سادھے ہوئے ہے۔ اس صورتحال پر الشیخ حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہٗ العالی نے جو اظہار خیال فرمایا ہے وہ درج ذیل ہے

"فلسطین پر رونے کی بجائے مسلم دنیا کی بے حسی پر رونا چاہیے۔ فلسطینی تو جہاد کر رہے ہیں اللہ کریم اُن کو شہادت نصیب کر رہے ہیں۔ اور ان کا یہ معاملہ تو تقریباً سو سال 1920ء سے چل رہا ہے کوئی آج کی بات تو نہیں ہے۔"

دعائے مغفرت

(1) چوک اعظم لیہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی حکیم محمد اشرف باجوہ
(2) عبدالحکیم خانیوال سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی ڈاکٹر محمد عابد کی اہلیہ
(3) وزیرستان سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی مولانا اللہ نور کی والدہ محترمہ۔
(4) پشاور سے سلسلہ عالیہ کے ساتھ میجر عطا اللہ جان کی اہلیہ محترمہ

وفات پا گئے ہیں۔ ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست کی جاتی ہے۔

all the other obligations.

The essence of all worships is a firm belief in Allah-swt which compels one to stay obedient to Him-swt. The firm conviction in the Greatness of Allah-swt and the realization of being a humble bondman will lead a believer to the completion of all other obligations in his life. Worships and all the religious obligations are in fact manifestations of obedience and faithfulness towards Allah-swt. This takes the form of extreme purity when a person realizes that his life and his needs are the blessings of Allah-swt. Faith and belief are the major fundamentals upon which a believers' obedience and devotion is built and worship is a manifestation of extreme faithfulness. This implies that every moment of a believers' life, even fulfilment of his daily needs are also a type of worship and a show of obedience towards Allah-swt. Prayers, fasting and other worships are not the only worships, rather every act performed according to the commandments of Allah-swt and the Sunnah of the Holy Prophet (SAWS) is indeed worship be it sleeping, talking, earning livelihood, and all other daily chores. Thus worship continues around the clock .This is why Allah-swt has not placed the condition of worshipping Him-swt, instead He (swt) says وَلْيُؤْمِنُوا بِي you must believe firmly in Me-swt.

Therefore, the system of belief has four integral parts. First is to believe in the existence of Allah-swt despite knowing nothing about His-swt whereabouts, His-swt Attributes and without the knowledge of how to act for His-swt pleasure and to avoid His-swt displeasure. Simply a trust upon the existence of Allah-swt is the first part.

The second part is to ask the Holy Prophet (SAWS) about His-swt Attributes, His-swt Commandments, what pleases Him-swt and what leads to His-swt annoyance, what Allah-swt wants from us and how should we show our obedience, and how to believe in His-swt Personage. One interesting fact which surely would surprise you, that it is stated in the Holy Quran that even the idolaters, the disbelievers, too believed in Allah-swt. They would ask the Prophets-(AS) وَمَا أَنزَلَ الرَّحْمَٰنُ مِن شَيْءٍ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَكْذِبُونَ and Allah-swt Most Gracious sends no sort of revelation: ye do nothing but lie".Ya-Sin [36:15.[This shows that the disbelievers believed in Allah-swt, however they believed in Him-swt as they wished, not as they were told to believe by the Prophets(AS) Denying the existence of Allah-swt is logically impossible. Every mentally sound person has to admit that there must be some so Omnipotent so Unique and someone Who is the Absolute and the Ultimate, Creator af all.

(To be Continued)

that time period. So when there is no one to teach people about the Attributes of Allah-swt and the obligations towards Him-swt, it is sufficient for a believer to believe in the Oneness and existence of Allah-swt by observing the signs in nature and it will suffice for his success in both the worlds.

People made wrongful claims regarding the beliefs of the parents and grand-parents of the Holy Prophet (SAWS).The parents of the Holy Prophet (SAWS) were true believers of Islam and a clear evidence of this fact is the dialogue between the grandfather of the Holy Prophet (SAWS) with Abraha, the king who had invaded Makkah with the intention of demolishing Ka'aba. Hazrat Abdul Muttalib went to the king asking for the return of his flock of camels. The king was surprised and inquired why wasn't he worried about the demolition of Ka'aba. Hazrat Abdul Muttalib replied, that like the camels, the Ka'aba also has a Master who will protect it. This clearly showed their belief in the Unity and the Omnipotence of Allah-swt. This belief was the complete Islam before the anointment of the Holy Prophet (SAWS)

Therefore, it is essential for a person to have trust in the existence and the Greatness of Allah-swt. One must believe that Allah-swt is the Rabb while he is the bondman. If someone asks the whereabouts of Allah-swt, tell them that I-swt is the closest to you أُجِيبُ.

دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ that"I-swt bless those who asks for their needs, and their prayers are indeed answered." Nobody's supplication goes unanswered أُجِيبُ دَعْوَةَ, الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ whenever and whatever they ask, I-swt grant them. Next it is stated فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ and in order to be closer to Me-swt, you too have obligations to be fulfilled, for if you cannot fulfil your obligations as My (swt) bondmen, why would I-swt answer your supplications So if you desire that your supplications be answered, you should also follow the call sent to you from Me-swt. the primary pre-requisite for it is to believe in My (swt) Greatness.

Hence the easiest way for our prayers to be answered is that we should obey the commandments of Allah-swt. O' Allah-swt! What should we do to show that we are following Your (swt) commandments? Shall we worship? Shall we fast? Shall we recite the Holy Quran? What is the task that we shall accomplish in order to be Your-swt faithful bondmen O' Allah? The answer to all these questions lies in the simple phrase of , وَلْيُؤْمِنُوا بِي that is',you must believe in Me-swt'!In order to be faithful, you must believe in Allah-swt as your Rabb, your Creator, your sole Provider and your Master in every aspect of your life. Your trust and firm belief in Allah-swt will eventually lead to the completion of

The Objective of Supplication

Translated speech of his eminence Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan MZA

8th December 2013

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْم

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ

Al-Baqara(2:186)

I received a letter a few days back, in which the writer relates that for the last twenty years he has been praying to Allah-swt for the restoration of his eyesight. His prayer has not been answered winch has wavered his belief in Allah-swt. I did not write a reply, since it was not possible to explain in a few lines, so I left it for another time, like today. I would suggest everyone and to that person in particular, to really ponder over the objective of the message.

Allah-swt has addressed the Holy Prophet(SAWS) in the above recited verses, and these verses are worth pondering over. It is stated as وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي When My-swt servants ask thee concerning Me-swt, here the term specifically mentioned by Allah-swt is 'My-swt servants' or 'My-swt bondmen, not any other people but 'My-swt bondmen'. His-swt bondmen would undoubtedly be the believers who are devoted, steadfast in their beliefs and have a complete trust in Allah-swt. Such bondmen in the moment of need and despair should be informed that فَإِنِّي قَرِيبٌ 'He-swt is indeed very close to them.'

The intricateness of the billions and trillions of cells inside the human body is a clear evidence of His-swt limitless Creativity and His-swt Omnipotence. The Creator is the only one who is nearest of all, because He-swt has created each and every cell and the complexity involved in its development are in His-swt Knowledge.

However here the words are وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي that the person must have trust in Me-swt, a basic requirement of faith and he does not necessarily need to have in-depth knowledge of My-swt Personage and My-swt Attributes. This trust in the existence of Allah-swt has always been a requirement to be a believer even in the pre-Islamic era also known as Fatrat (or the empty period) .Fatrat is that time period when the teachings of the Prophets (AS) have been lost and there is no existing Prophet (AS) officiating in

this and belong to Allah swt. A Wali Allah needs only Allah swt.

Gather all the Ahbab and read my letter out to them. May Allah that you receive this letter.

Addressed to Colonel Matloob Husain

I would like to inform the whole Jama'at that all doors of excellence have been shut and there is no way in except through the obedience of the Holy Prophet saws. All ranks, Abdaliyat, Najabiyat, Autadiyat, Qutbiyat, Gauthiyat, Qayyumiyat, Fardiyat, Qutb-e Wahdat, Siddiqiyat and a station even beyond, known as Maqam-e Asrar in Sulook, are obtained through the dust under the shoes of the Holy Prophet saws. Keep in mind that there are only two conditions for the achievement of the above mentioned offices: first, compliance with the Shari'ah of the Holy Prophet saws, along with adherence to the Sunnah of the Holy Prophet saws second, continuous Zikr, along with the connection with a Shaikh. As the connection with a Shaikh is spiritual, and a very delicate one, it should be taken great care of.

Shaitan the wretched, has armed all his votaries against the Jama'at of the Sufis, and the accounts of Sufis inform us that he was able to delude many great men before they left this world. The person who abandons Zikr after starting it, and becomes argumentative and contentious, in reality, represents the following Quranic Ayah:

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ

(زخرف:۳۶)

If anyone withdraws himself from Zikr of the Most Gracious, We appoint for him a devil to be an intimate companion to him(al Zukhruf: 36)

Most of these Zakireen were blessed with Mushahidaat due to their focused(undivided) concentration and constant Zikr. To comfort the few who were not granted this blessing, Hazrat Ji rau explained the reality of spiritual visions in a letter.

'Do not concern yourselves by thoughts of not having Kashf, keep yourselves occupied in Zikr-e Ilahi alone. This is a Jihad and the spoils (booty) are subsequent to the Jihad. Kashf, Ilham are blessings from Allah swt. It is correct that even I had no knowledge(of it) for seventeen years. I started distributing the beneficence after 24 years. Today, I have such Blessings and Grace from Allah swt, that in my sight, the kingdom of the whole world is not equal to the dust of my shoes. Today, if I ask my Rabb to turn a mountain into gold, I have strong conviction in my Allah that He swt would make the whole mountain into gold. All this excellence is due to the Barakah of the Zikr of my Rabb. My dear! This has caused such love for the Rabb of the universe, that I consider even a single minute spent outside His remembrance as Haraam. You too keep up Zikr perpetually. Everything will become alright'.

In another letter he rua warned about Mushahidaat:

"We are living in an irreligious era. Earnings are from Haraam sources and the time has moved away from the period of the Holy Prophet saws. The Divine Lights and Refulgence from Allah swt has been cut off. We are surrounded by depravity on all sides. For this reason Kashf and Ilham can be overshadowed by darkness. Therefore, do not completely rely on Kashf and Ilham."

(To be Continued)

Court of the Holy Prophet saws. The issue of your release is also presented before all Masha'ikh, but only that will come to pass, which is willed by Allah swt. I sometimes spiritually attend your (Zikr)routines. Your Zikr(spiritual)states are also watched over.

Addressed to Colonel Fatih

My dear! This life is short. We Muslims, especially the Arifeen, are the deputies of the Prophets. It is your duty to remember that just as you are presently serving this army, you have similarly become the members of the army of Allah swt and his Messenger saws. Moreover, Allah swt has granted you His special Favour – the True Knowledge. If you now follow the wrong path, you will be granted double punishment. Just as you are anxious for meeting us, so are we but it will only take place at the time ordained by Allah swt. He is the Remover of difficulties.

I appeal to all the members of the Jama'at...These are very delicate times, it is the era of irreligiousness, immodesty is on the increase, disobedience(of religion)has broken all bounds, the Righteous of the Ummah are looked down upon as the lowest and most worthless, children are killing their parents, Muslims have stopped distinguishing between Halaal and Haraam, the fear of Allah swt and the reverence for the Holy Prophet saws has left the hearts. People have stopped believing in the Accountability in the Afterlife. The spiritual connection with the Holy Prophet saws has been broken. Muslims now hanker after two things: first, wealth, whether it be taken from the treasure of Qaroon or of Shaddad, secondly, distinction and honour, whether it be in the Court of Pharaoh or of Nimrod.

My dear! Qiyamah is sure to come and death is certain for everyone. Accountability for the whole life is definite and will take place. The beliefs of infidelity have crossed all limits the world is suffering from the maladies of the hearts, to an extent that the hearts have died. The death of a heart is worse than the death of the body.

These ranks of majors, colonels, captains will not avail you in the least on the Field, neither will you be asked about them, nor will you be called by these titles. Remember it is only righteous deeds that will come to your rescue. First reflect on your birth, then reflect on your death...... the body will be food for worms, and will turn to dust.

Remember that this world is not our real home. The home is Heaven or Hell. The world is an inn, we have to proceed to Barzakh and after that have to gather and remain on the Plain of Hashr for 50,000 years. There will be no friend or helper there. The only solution for all this is the Zikr Allah.

My dears! Remain steadfast on the path that I have shown you, the path of the Aulia Allah and the Arifeen. Do not exalt yourselves over your good deeds, or become proud, don't ever distance yourself from Allah swt. All your merits have been granted to you by Allah swt, they were not within your means in the first place. If we live and meet, then after some time Insha Allah I will show those who have Kashf, the condition in Barzakh of those who sold themselves for this world. I will show the condition of Mirza Ghulam Ahmed and the rest of the Mirzais, one by one.

One last word, the blessings of this world and the next are not for the mischief-makers or the evil, they are solely for the Righteous. Remember

Hayat-e-Javidan Chapter 21

A Life Eternal (Translation)

From Previous Month

Although every letter of Hazrat Ji rua is a treasure of good counsel and advice, and bears lasting significance, yet some letters are such that it is considered necessary to exactly reproduce them here so that perpetual benefit may continue to be drawn due to the lasting significance of 'Hayat-e Javidan.'

Letter addressed to Colonel Qurban Hassan

Dear Shah Sahib! This world is transitory, only of a few days. Our coming and living here is not in our control. Remember, not to destroy the permanent for the transitory. That person is indeed unfortunate who exchanges gold for clay, but the foremost duty of the descendants of the Four Khulafa, especially that of Sayyedena Ali al-Murtaza rau, and especially that of Hazrat Fatimah tuz Zahra rau, is to uphold their noble heritage.

My dear! I am also from the lineage of Hazrat Ali al-Murtaza rau. Normally, the offices of Qutb-e Madaar, Qutb-e Abdal, Qutb ul-Aqatab, Qutb-e Irshad, Ghaus, Afraad, Qutb-e Wahdat, Siddiq, remain within the decedents of these Khulafa. Yes, maybe but very seldom, whoever else Allah swt wishes to bless, and if he has the Tawajjuh of the Shaikh, may also get a portion from these offices.

My dear! Establish regular Salah and do not forget the Tahajjad Salah. Follow the Shari'ah and the Sunnah of the Holy Prophet saws, keep doing Zikr constantly and maintain contact with the Masha'ikh. Those who have been granted spiritual insight must remember that the inheritors of Prophets must not look towards the legacies of Fir'aun, Qaroon or Shaddad. Allah swt Alone is Sufficient for a Wali Allah. It is against the dignity of a Wali Allah to look towards others or anything else.

خلافِ طریقہ بود اولیا
تمنا کنند از خدا نا خدا

(The Aulia's way can only be Not to ask of Allah, other than He.)

You are a Lieutenant Colonel. Even if you were offered the dominion of the whole world, it would not compare to the shoe of a Wali Allah. Before you, Sikandar Zulqarnain and Hazrat Sulaiman (on them be Peace and Blessings, were given kingship over the whole world, but nothing could come between them and God. My dear! One may possess the world, but should not forget Allah swt. Do not forget the Way of the Holy Prophet saws, adherence to the Messenger saws and to the Legacy of the Messenger-saws.

I leave you and all my spiritual children in Allah swt's custody.

My dears! In front of Allah swt, it is you who will be the cause of the release of the rest of the prisoners. Your affair is often presented in the

Ziqad 1435h

September 2014

ماہنامہ المرشد

اللہ
رسول
محمد

أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ وَأَنَا مَعَهٗ إِذَا ذَكَرَنِيْ فَإِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهٖ
ذَكَرْتُهٗ فِيْ نَفْسِيْ وَإِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَاءٍ ذَكَرْتُهٗ فِيْ مَلَاءٍ خَيْرٍ مِّنْهُ

Muhammad (S.A.W.W) said Allah says that He deals with a person in the same way as the person opines about Him. When he remembers Me I am with him. If he remembers Me in his heart I also remember him in my heart. If he remembers Me in a group I remember him in a better group (angles).

Acceptance and Divine cognition are two different things. Acceptance is Islam and Divine cognition is Tassawuf .

Al-Sheikh Mualana
Ameer Muhammad Akram Awan MZA

Crystal Chandelier in the Entrance Hall of Sheikh Zayed Mosque

MONTHLY AL-MURSHID PS/CPL # 15
17-AWAN SOCIETY COLLEGE ROAD, TOWNSHIP LAHORE

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کرسکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کرسکتے ہیں۔

1-مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2-مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہیں آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہیں پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔4-اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔5-حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6-ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8-اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9-سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کرسکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کرسکتے ہیں۔ 03235205255